مولفہ

عالم ربانی عارف حقانی حضرت مولانا محمد صالح نقشبندی مجددی

المولود
۱۸۶۹ء اندازاً

المتوفی
اگست ۱۹۵۹ء

المدفون
میتراں والی (سیالکوٹ)

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا لہ بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم (سورہ حجرات)

یا محمد یا احمد

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سید المرسلین

حنفی مذہب و صوفی مشرب کے صحیح عقائد کی کتابوں کا سلسلہ نمبر ۵

منہاج القبول فی آدابِ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلفہ

عالم ربانی عارف حقانی

ابو البشیر مولوی محمد صالح سجادہ نشین بن مولوی مست علی صاحب نقشبندی

سنہ ۱۳۴۹ھ

۱۹۳۰ء

یا مزمل یا مدثر
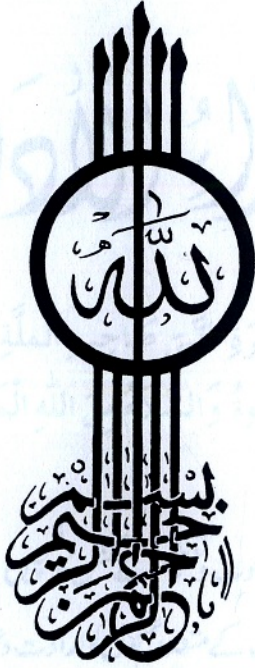
ارمغانِ تہنیتِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ ۱۴۲۵ھ ہجری

....

عبید المصطفیٰ ....

یا صاحب الجمال و یا سید البشر   من وجهک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقه   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اِہداءُ الاُداب

لِحَضْرَۃِ النَّبِیِّ صَاحِبِ الْمِلَّۃِ وَالکِتَابِ
عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ مِنَ اللّٰہِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ

یہ بندۂ کمترین، ادب و تعظیم کے گلشن کا گلچین، آداب کے چند پھولوں، اور تعظیمات کے متعدد غنچوں کو ارادت و عقیدت کے رشتے میں مربوط کر کے گنبد خضرا کے آستانۂ علیا میں پیش کرتا ہے۔

لائق نبود قطرہ بعماں بردن   خار و خسِ صحرا بگلستاں بردن
اما چکنم کہ رسمِ موزوں باشد   پائے ملخے پیشِ سلیماں بردن

ابوالبشیر صالح بن مولوی مست علی مرحوم

حُسنِ ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارُف

اسمِ گرامی مولانا مُحمّد صالح اور کنیت ابو البشیر تھی۔ انیسویں صدی کے نصف ثانی کے اوائل [1] میں آپ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں میتراں والی میں اپنے دور کے ممتاز عالمِ دین اور باکمال شیخِ طریقت حضرت مولانا مست علی نقشبندی مجددی [2] رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کے ہاں پیدا ہوئے۔

{۱} پروفیسر آفتاب احمد نقوی رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ نے ان کا سن پیدائش اندازاً ۷۰-۱۸۶۹ء لکھا ہے۔

{۲} حضرت مولانا مست علی رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ زبیریہ میں شیخ المشائخ حضرت باواجی خواجہ نُور مُحمّد چوراہی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔ جیسا کہ انوار تیراہی صفحہ ۵۱ سے اشارتاً معلوم ہوتا ہے اور جواہر مجددیہ میں صراحتاً آپ کو حضرت باوا جی رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کے خلفاء سے شمار کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۹۹ مطبوعہ فیصل آباد) بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کو حضرت خواجہ خواجگان حضرت شیخ فقیر محمد چوراہی رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کے خلفاء سے شمار کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ مشائخ نقشبندیہ صفحہ ۴۸۲ مطبوعہ لاہور) دونوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حضرت باوا جی خواجہ نُور محمد قدس سرہٗ کے وِصال کے بعد آپ نے ان کے جانشین حضرت خواجہ فقیر محمد رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کے دست اقدس پر تجدید بیعت کی اور اُنھوں نے آپ کو دوبارہ اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔

آپ نے اپنے مرشدِ برحق کے وِصال پر قطعاتِ تاریخی کہے، دو درج ذیل ہیں۔

رفت نُورِ مُحمّد ز دنیا
که همه عُمر خود نگفته دروغ
مستِ مسکین که هست خادمِ او
سالِ تاریخِ او بگفت فروغ

انوار تیراہی صفحہ ۲۲ - مطبوعہ مطبع نول کشور لاہور ۱۹۱۰ء

آپ کی عمر صرف تین سال تھی کہ والدِ ماجد حضرت مولانا مست علی رَحمتہ اللہ عَلَیْہِ کا اِنتقال ہو گیا۔ اب یتیم بچے کی تعلیم و تربیت کا بارِ گراں ان کی والدہ ماجدہ کے کندھوں پر آن پڑا۔ اس نیک سیرت بی بی نے تربیت کا حق اس خُوبی سے ادا کیا کہ ان کا نُورِ نظر آسمانِ علم و عرفان کا آفتاب و ماہتاب بن کر چمکنے لگا۔ مخلوقِ خُدا اس کے علمی روحانی فیوض سے بہرہ ور ہونے لگی۔

مولانا نے پانچ برس کی عمر میں اپنے تایا جان مولانا امیر علی رَحمتہ اللہ علیہ سے قرآن مجید ناظرہ پڑھا۔ پانچویں جماعت تک دنیوی تعلیم سکول میں حاصل کی۔ آپ بچپن ہی میں حضرت خواجۂ خواجگان مولانا شیخ غلام محی الدین باولی شریف کے دست اقدس پر بیعت ہوئے، اور آپ ہی سے خلافت پائی، چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ فقیرِ پُر تقصیر ایامِ طفولیت میں جناب عمدۃ العلماء زُبدۃ الفقراء استاذی و مرشدی حضرت مولانا مولوی غلام محی الدین [1] بن مجددِ زمان حضرت خان عالم ساکن بولی شریف من مضافات گجرات (پنجاب) کے درِ دولت پر حاضر ہو کر بحکمِ نبوی بیعت مسنونہ سے شرف یاب ہوا تو دین ودنیا کے مشاغل میں دن دونی رات چوگنی

--- پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ

چوں شاہِ موحداں رواں شد
صد شرکو نفاقہا عیاں شد
تاریک شے ز در در آمد
چوں نُورِ مُحمّد از جہاں شد
بے قہر خرد بگفت تاریخ
خورشید مجددی نہاں شد

انوار تیراہی صفحہ ۱۷ - مطبوعہ نول کشور لاہور ۱۹۱۰ء

{۱} حضرت خواجۂ غلام محی الدین نقشبندی مجددی رَحمتہ اللہ عَلَیْہِ حضرت شیخ الاولیاء خواجہ مُحمّد خان عالم رَحمتہ اللہ عَلَیْہِ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ باولی شریف میں آپ چڑھدے والے پیر صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ کریں)

ترقی ہوگئی یہاں تک کہ حضور فیض گنجور نے تھوڑے ہی عرصہ میں اس ناچیز کو خلافت کا جبہ عطا فرمایا"۔

مسائل العیدین صفحہ ۱، مطبوعہ خادم التعلیم پریس، لاہور ۱۳۲۳ھ

جناب پروفیسر آفتاب احمد نقوی رَحمتہ اللہ عَلَیْہِ نے آپ کو حضرت خواجہ فقیر مُحمّد چوراہی رَحمتہ اللہ عَلَیْہِ کا مُرید لکھا ہے۔ معلوم نہیں ان کا مآخذ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب "پردہ" صفحہ ۱۱۔

حضرت مولانا مُحمّد صالح رَحمتہ اللہ عَلَیْہِ نے انگریزی تعلیم بھی حاصل کی اور

--- پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ

آپ کے برادر اکبر آفتابِ علم و عرفان شیخ المشائخ حضرت خواجہ محمد بخش رَحمتہ اللہ عَلَیْہِ تھے جو لہندے والے پیر صاحب کے نام سے معروف تھے۔ خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ مُحمّد سُلطان عالم نقشبندی مجددی رَحمتہ اللہ علیہ (مدفون خانقاہِ سُلطانیہ کالا دیو) آپ ہی کے مرید باصفا تھے جنہوں نے تقریباً بارہ برس دربارِ عالی باولی شریف رہ کر بڑی جانفشانی سے اپنے آپ کو خدمت شیخ کے وقف کئے رکھا۔ ان خدمات کا صدقہ ہے کہ آج بڑے بڑے کج کلاہوں کے سر آپ کی بارگاہ میں آپ کے نام اور نسبت کے سامنے جُھکے جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ غلام محی الدین رَحمتہ اللہ عَلَیْہِ نے قرآن مجید کی تعلیم جوڑا کرنانہ (ضلع گجرات) میں حضرت حافظ خواجدین رَحمتہ اللہ عَلَیْہِ سے حاصل کی۔ موضع چیچیاں (نزد کھڑی شریف) میں ایک حافظ صاحب، جو باعمل، متقی اور متبحر عالم دین تھے، سے فقہ کی کچھ کتابیں پڑھیں، پھر لاہور میں (استاذ الکل) حضرت حافظ غلام احمد (صدر مدرس دارالعلوم نعمانیہ لاہور سے فقہ، حدیث و تفسیر کی کتابیں پڑھیں۔ حضرت مولانا شیخ محمد عبداللہ رَحمتہ اللہ عَلَیْہِ ساکن عمر چک نزد لالہ موسیٰ اور حضرت مولانا مفتی مُحمّد سلیم اللہ لاہوری آپ کے ہم درس تھے۔

(حالات و کرامات خواجہ غلام محی الدین قلمی صفحہ ۴۵)

شیخ المشائخ حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی رَحمتہ اللہ عَلَیْہِ نے حصول خلافت کے بعد جب پہلی بار پنجاب کا تبلیغی دورہ فرمایا اور باولی شریف پہنچے تو آپ نے ان کے دست اقدس پر بیعت فرمائی۔ (تاریخ مشائخ نقشبند از مُحمّد صادق قصوری صفحہ ۴۷۴)

آپ کی زندگی عبادت، ریاضت، ذکر و فکر سے عبارت تھی۔ آپ کا وصال صفر المظفر ۱۳۳۰ھ میں ہوا اور اپنے والدِ ماجد کے مزار انور سے متصل بجانب مشرق آسودۂ خاک ہوئے۔

۱۸۹۶ء میں اپنے آبائی گاؤں میتراں والی سے لاہور منتقل ہوگئے۔ یہاں محکمہ ریلوے میں ملازمت اختیار کرلی۔ اس طرح فکرِ معاش سے فراغت نصیب ہوئی۔ فارغ اوقات میں مُختلف علمائے کرام سے درسی علوم حاصل کئے۔ فقہ، تفسیر، حدیث میں مہارت حاصل کرلی۔ اس کے بعد قرطاس و قلم سے اپنا ایسا رشتہ قائم کیا جو تازیست برقرار رہا۔

قیام لاہور کے دوران آپ نے درجِ ذیل علمائے اعلام کا زمانہ پایا۔

(۱) مولانا غلام احمد صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ المتوفی ۱۹۰۷ء
(۲) مولانا غلام قادر بھیروی المتوفی ۱۹۰۸ء
(۳) پیر عبدالغفار شاہ کاشمیری المتوفی ۱۹۲۲ء
(۴) مولانا غلام اللہ قصوری المتوفی ۱۹۲۲ء
(۵) مفتی عبداللہ ٹونکی المتوفی ۱۹۲۴ء
(۶) سیّد حافظ احمد علی شاہ بٹالوی خطیب شاہی مسجد لاہور المتوفی ۱۹۲۶ء
(۷) مولانا تاج الدین قادری، خطیب مسجد پٹولیاں المتوفی ۱۹۲۹ء
(۸) مولانا مُحمّد ذاکر بگوی المتوفی ۱۹۱۴ء
(۹) پیر مُحمّد اشرف المتوفی ۱۳۸۴ھ
(۱۰) مولانا ابو مُحمّد مُحمّد دیدار علی المتوفی ۱۳۵۴ھ
(۱۱) مولانا مفتی مُحمّد یار خلیق فاروقی مفتی دارالعلوم نعمانیہ المتوفی ۱۹۳۷ء
(۱۲) پروفیسر مولانا حاکم علی، المتوفی ۱۹۴۴ء
(۱۳) مولانا نبی بخش حلوائی المتوفی ۱۹۴۴ء
(۱۴) ابو الفیض مولانا قلندر علی سہروردی المتوفی ۱۹۵۸ء
(۱۵) مولانا پروفیسر نُور بخش توکلی المتوفی ۱۹۴۸ء
(۱۶) مولانا ابوالحسنات سید مُحمّد خطیب مسجد وزیر خان المتوفی ۱۹۶۱ء
(۱۷) مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری حزب الاحناف المتوفی ۱۹۷۸ء

(۱۸) مولانا مرتضٰی احمد میکش المتوفی ۱۹۵۹ء
(۱۹) مولانا مُحمّد بخش مسلم خطیب مسلم مسجد المتوفی ۱۹۸۷ء
(۲۰) مولانا حکیم مُحمّد موسیٰ امرتسری المتوفی ۱۹۹۹ء
(۲۱) مولانا غلام مُحمّد ترنم المتوفی ۱۹۵۹ء
(۲۲) مفتی عبدالعزیز مزنگوی المتوفی ۱۳۸۴ھ
(۲۳) مولانا مفتی غلام جان قادری المتوفی ۱۹۵۹ء وغیرھم۔

نہ معلوم ان میں کس کس سے اور ان کے علاوہ دیگر کن علماء سے استفادہ کیا۔

مولانا مُحمّد صالح رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کثیر التصانیف عالم دین تھے۔[1] تصانیف کی تعداد خود ایک مکتوب میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

"مَیں نے قریباً ایک سو کتب مُختلف مذہبی مضامین پر تیار کی ہیں اور حنفی مذہب اور صوفی مشرب کو مدِنظر رکھا گیا ہے"۔

مکتوب بنام مولانا غلام محی الدین دیالوی

محررہ - ۱۰/ جون ۱۹۰۶ء

اس مکتوب کے بعد آپ پچاس سے زیادہ سال تک زندہ رہے۔ اس طویل عرصہ میں نہ معلوم اس تعداد میں کتنا اضافہ ہوا ہوگا۔ آپ کی جن تصانیف کے نام معلوم ہوسکے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) تصوّرِ شیخ — صفحات ۴۰
(۲) ضرورتِ شیخ — صفحات ۶۰

{۱} مسائل العیدین ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں چھپی اس کے دیباچہ میں تصانیف کے بارے میں اپنے منصوبہ کے متعلق یوں رقم طراز ہیں۔
"اگر عمر نے وفا کی تو ان شاء اللہ اس قسم کے اتنے رسالے تیار کرنے کا ارادہ ہے جن کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز ہو کر ہزاروں تک پہنچ جائے گی"۔
مسائل العیدین صفحہ ۵ - مطبوعہ خادم التعلیم پریس، لاہور، ۱۳۲۳ھ

کتاب	صفحات
(۳) تاثیر کلام	صفحات ۳۲
(۴) دعا	صفحات ۶۰
(۵) فضائل الجمعہ	صفحات ۱۰۰
(۶) فضائل الصیام	صفحات ۲۰
(۷) تحقیق لیلہ القدر	صفحات ۶۰
(۸) گلدستہ تصوف	صفحات ۲۰۰
(۹) ترغیب الجماعت	صفحات ۶۰
(۱۰) وعیدِ بے نمازان	صفحات ۱۰۰
(۱۱) التوحید	صفحات ۴۰۰

یہ تفصیل آپ نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمائی ہے۔ جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے، جناب پروفیسر آفتاب احمد نقوی رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ نے کتاب "پردہ" کے مُقدمہ میں درج ذیل کتابوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱۲) پردہ

(۱۳) فقہ نعمانی ترجمہ اردو خلاصہ کیدانی

(۱۴) فضائلِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ، یہ کتاب چار حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلا حِصّہ میں یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کہنے کی تحقیق ہے۔ دُوسرا حِصّہ زیارتِ قبور، زیارتِ روضۂ مُقدّسہ کی شرعی حیثیت اور علّامہ ابن تیمیہ کے نظریات کی تردید پر مشتمل ہے۔ تیسرا حِصّہ حیاتِ انبیاء و اولیاء کے بیان میں ہے۔ چوتھا حِصّہ میں استمداد توسل کا بیان ہے۔

(۱۵) علم غیب

(۱۶) نمازِ حنفی مدلل۔ یہ کتاب کئی اجزاء پر مشتمل ہے۔

(۱۷) مسائل العیدین

(۱۸) قیام امام مہدی حِصّہ اوّل و دوم

(۱۹) عامل بنانے والی کتاب

(۲۰) خطبات الحنفیہ

(۲۱) تحفۃ الاحباب فی مسئلہ ایصال ثواب

(۲۲) جنگ بلقان

(۲۳) نماز مترجم

(۲۴) سوانح عمری رسولِ مقبول

(۲۵) سلسلہ اسلام دس حِصّے

(۲۶) انوار اللمعہ فی اسرار الجمعہ ممکن ہے کہ یہ اور نمبر۵ میں درج شدہ ایک کتاب ہو۔

(۲۷) احتیاط الظہر

(۲۸) آدابِ سلام

(۲۹) شبِ برأت

(۳۰) مناجات

(۳۱) رسالہ حقہ

(۳۲) آسان سلسلہ تعلیم الاسلام چھ حِصّے۔

آپ اپنی تصانیف اپنے اہتمام سے چھپواتے اور پھران کی عوام الناس میں ترسیل کے لئے لاہور شہر میں ایک مکتبہ قائم فرما رکھا تھا۔ جس کا نام کتب خانہ حنفیہ تھا۔ جہاں اپنی تصانیف کے علاوہ دیگر اداروں کی عربی فارسی اردو کتب فروخت کے لئے رکھی جاتی تھیں۔ چناں آپ اپنے مکتوب میں مولانا غلام محی الدین دیالوی رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کو تحریر فرماتے ہیں۔

"اور نیز اگر کوئی دینی وغیرہ کتب عربی، فارسی، اردو وغیرہ مطلوب ہوا کرے تو ہمارے کتب خانہ سے طلب فرمایا کریں۔ ان شاء اللہ دیگر کتب فروشوں سے بارعایت مال بھیجا جائے گا"۔

مکتوب بنام مولانا غلام محی الدین دیالوی   محررہ - ۱۹۰۶ء

حضرت مولانا کے والد گرامی مولانا مست علی نقشبندی مجددی رَحمتہ اللہ عَلَیہِ نے اگرچہ اُس وقت وفات پائی جبکہ ان کے لختِ جگر کی عمُر صرف تین سال تھی۔ اُنھوں نے جی بھر والد گرامی قدر کو دیکھا بھی نہ تھا اور نہ ہی وہ عمُر استفادہ کی تھی۔ لیکن جب مولانا مُحمّد صالح رَحمتہ اللہ عَلَیہِ علمِ دین سے کامل طور پر بہرہ ور ہوئے اور ان کو اپنے والد ماجد کے علمی و روحانی مراتبِ عالیہ سے واقفیت ہوئی تو ان کے ساتھ گہری عقیدت پیدا ہوگئی جس کا اظہار اُنھوں نے نظم کی زُبان میں یوں کیا ہے۔

کیا لکھیں ہم ان کے محاسن کو
کیا لکھیں چھوٹا مُنہ بڑی ہے بات
تھے وہ شیریں کلام و خندہ دہن
بات تھی ان کی مثل قندونبات
ہر کسی سے بخندہ پیشانی
مسکرا کر وہ کرتے تھے ہر بات
کاشف معنئے اُصول و فروغ
واقفِ کلیات و جزئیات
تھے وہ علامۂ جمیع علوم
تھے وہ فہامۂ جمیع نکات
اوجِ چرخِ معانی و الفاظ
موجِ بحرِ لغات و اصطلاحات
نکتہ دانِ ضمائر و اَعلام
زمر فہیمِ معارف و نکرات

صدرِ ایوانِ منصبِ تدریس
شانِ ذی شان ملکِ معقولات
تھے کمالِ جمال کے مصباح
تھے جمالِ کمال کے مشکات

حضرت مولانا مُحمّد صالح رَحمتہ اللہ عَلَیہِ دینی مدارس کے طلبہ پر بے حد شفقت فرمایا کرتے تھے۔ جامعہ حنفیہ سیالکوٹ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ مُحمّد عالم رَحمتہ اللہ عَلَیہِ اپنے طالب علمی کے زمانہ، جب وہ حزب الاحناف میں زیرِ تعلیم تھے، کی یادداشتوں کو یوں بیان فرمایا کرتے تھے کہ مولانا مُحمّد صالح رَحمتہ اللہ عَلَیہِ اکثر حزب الاحناف آیا کرتے تھے۔ طلباء کو اپنے ساتھ لے جاتے ان کی مالی امداد فرماتے اور انہیں پُر تکلف کھانا کھِلایا کرتے تھے۔ بعض بزرگ ان سے یوں بھی روایت کرتے ہیں کہ حضرت مولانا مُحمّد صالح رَحمتہ اللہ عَلَیہِ گھر سے کھانا پکوا کر اپنے سر پر اُٹھا کر حزب الاحناف لایا کرتے تھے اور طلباء کو کھِلایا کرتے تھے۔

مولانا مرحوم نے اگست ۱۹۵۹ء میں وصال فرمایا اس وقت وہ لاہور ہی میں تھے، اور آپ کی عمر تقریباً نوّے سال تھی۔ وفات کے وقت آپکے اکلوتے فرزند میاں مُحمّد بشیر ایم اے بعارضۂ قلب ہسپتال میں داخل تھے۔ انکی مخدوش حالت کے پیشِ نظر ان کو وَالدِ ماجد کی وفات سے باخبر کرنا مناسب نہ سمجھا گیا۔ چنانچہ اس وقت لاہور ہی میں آپ کو دفن کردیا گیا۔ زاں بعد ۱۹۶۱ء میں ان کو آبائی گاؤں میتراں والی کی جامع مسجد کے احاطہ میں دفن کیا گیا۔ جہاں ان کا مزار پُرانوار موجود ہے۔

حضرت مولانا مُحمّد صالح رَحمتہ اللہ عَلَیہِ کو اپنے اکلوتے بیٹے سے بہت مُحبّت تھی۔ چنانچہ کبھی دستخط یوں فرماتے مولوی مُحمّد صالح مُحمّد بشیر صوفی، اپنی کتاب "پردہ" کے آخر میں ان کے لئے یوں دعائیہ کلمات تحریر فرمائے:

"میرے لختِ جگر، فرزند ارجمند، سعادت مُحمّد بشیر ایم اے کو جمیع حوادثِ روزگار سے محفوظ و مصئون رکھ۔ دین و دنیا میں اس کو سرسبز و شاداب کر اور سلف

صالحین کا متبع اور شریعتِ شریفہ کا پابند کر۔ گمراہ فرقوں اور بد صحبتوں سے بچائے رکھ اور اس کو اپنا مقبول بندہ بنالے۔ آمین"۔ (پردہ —— صفحہ - ۱۵۹)

کتاب "منہاج القبول فی آداب الرسول" اپنے موضوع پر اردو زبان میں نہایت ہی جامع کتاب ہے۔ اس میں معتبر حوالہ جات کی مدد سے نبی اکرم، شفیع معظم، جان عالم و عالمیان، اللہ تعالیٰ کے حبیب و محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی بارگاہِ بے کس پناہ کے آدابِ مبارکہ کا بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کو دلکش بنانے کے لئے حضرت مصنف رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ نے اس زمانہ کے مزاج کے مطابق جابجا فارسی اشعار کا برمحل استعمال فرمایا۔ چونکہ دورِ حاضر میں فارسی اشعار کا سمجھنا مشکل ہے۔ لہٰذا اس اشاعت میں ان اشعار کا ترجمہ شامل کر دیا گیا ہے، جو کہ راقم الحروف کے قلم سے ہے۔ اس کے علاوہ کتاب کو بغیر کسی تبدیلی کے من و عن شائع کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر اس کی گنجائش موجود ہے۔ یہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں تقریباً پچاس عنوانات کے تحت حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے فضائل و محامد کو دل نشین پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں نبی پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی تعظیم و توقیر کی شرعی اہمیت کو پندرہ سے زیادہ ضمنی عنوانات میں بیان کیا گیا ہے۔

تیسرا باب پندرہ ضمنی عنوانات پر مشتمل ہے جس میں حضور سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی شانِ ارفع میں بے ادبی کے ثمرات و نتائج سے آگاہ کیا ہے۔

چوتھا باب اس باب میں بارگاہِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ میں صحابۂ کرام رضوان علیہم اجمعین اور کچھ دیگر اکابرامت کا انداز ادب و احترام کا بیان ہے۔ یہ باب تیس کے قریب ضمنی عنوانات پر محیط ہے——

پانچویں باب میں بارگاہِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ میں ادب و تعظیم بجا لانے کے فوائد و ثمرات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس باب کے ضمنی عنوانات کی تعداد آٹھ ہے۔

چھٹا باب حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے تعلق رکھنے والی اشیاء کے ادب و تعظیم کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس میں پانچ ضمنی عنوانات ہیں۔

کتاب کا ساتواں باب حضرت مصنف رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کا اپنا تحریر فرمودہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ان کے ایک مہربان محب مولانا نذیر احمد عرشی نقشبندی مجددی نے تالیف کیا ہے۔ حضرت مصنف رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ نے اس باب کو کتاب کے ضمیمہ کے طور پر شاملِ کتاب فرمایا ہے۔ یہ متفرق آداب پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا محمد صالح نقشبندی مجددی رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کا اندازِ بیان مصالحانہ ناصحانہ ہے۔ اُنہوں نے حکیمانہ انداز میں اپنی بات کہی ہے۔ جس سے دلوں میں تنفر اور وحشت پیدا نہیں ہوتی۔ دورِ حاضر میں ایسی کتابیں نوجوان نسل کی ضرورت ہیں۔ اُنہوں نے یہ کتاب تالیف فرما کر بجا طور پر اپنے آپ کو دربارِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے ثنا خوانوں کی عالی مرتبت صف میں اپنی جگہ بنالی ہے۔ اگر وہ صرف یہی کتاب تصنیف فرما جاتے تو ان کی بخشش اور نجات کا عمدہ سامان تھا۔

یہ کتاب حضرت مصنف رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ نے اپنی زندگی میں ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء میں اپنے اہتمام سے شائع کی۔ پچاس برس کے بعد حضرت مولانا محمد اشرف مجددی نے اپنے مکتبہ اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ سے دوبارہ شائع کیا۔ اب ادارہ مظہر علم لاہور نے اس کی ازسر نو طباعت کا بیڑا اٹھایا۔ یہ طباعت ان شاء اللہ تعالیٰ پہلی دو اشاعتوں سے کتابت، کاغذ، صحت ہر لحاظ سے برتر ہوگی، اللہ تعالیٰ اس ادرہ کے کارکنان کے ایمان، عمل اور ارادوں میں اخلاص نصیب فرمائے اور دارین کی برکات سے بہرہ ور فرمائے۔

محمد علیم الدین عفی عنہ

ماہ مبارک میلاد ۱۴۲۵ھ

دِیباچہ

حمد و نعت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریف پروردگارِ عالم کے لئے زیبا ہے، جس نے ساری کائنات کو دائرۂ ادب میں پیدا فرمایا- پھر ہر مخلوق کو اپنے قانونِ فطرت کے مطابق خاص نظامِ ادب کا پابند بنایا- چنانچہ درختوں کو مؤدبانہ قیام، بہائم کو عاجزانہ رکوع، حشرات کو مستمندانہ سجود اور جبال کو صابرانہ قعود سکھایا- اِسی طرح نہر کی روانی، دریا کی طغیانی، بجلی کی چمک، بادل کی گرج، ہوا کی تگ و دَو، آسمان کی گردش، سورج کی تابش، ستاروں کی رفتار کا ایک خاص ضابطۂ ادب ٹھہرا دیا اور ہر مخلوق کو اس ضابطہ کی بجا آوری پر مامور کیا- ؎

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند   بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

ترجمہ : ہوا، مٹی، پانی اور آگ اللہ تعَالیٰ کے بندے ہیں، مجھے اور تجھے بے جان نظر آتے ہیں لیکن اللہ تعَالیٰ کے ہاں ان میں زندگی موجود ہے-

جملہ ذراتِ زمین و آسماں   لشکرِ حق اند گاہِ امتحاں

ترجمہ : آسمان اور زمین کے تمام ذرات امتحان کی اس جگہ یعنی دنیا میں اللہ

تعَالیٰ کا لشکر ہیں-

اور درودِ لامحدود اُس کے حبیبِ پاک، سرورِ عالم، فخرِ بنی آدم، حضرت مُحمّد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّمْ پر، جنہوں نے درسگاہِ غیب سے، احسنِ تادِیب کا سبق لیا اور اپنی صفاتِ عالیہ اور اَخلاقِ زاکیہ سے آداب و فضائل کا بہترین نمونہ اُمّت کے پیش کیا- جس نے اس نمونہ کی اقتداکی، وہ فائز بالمرام ہوا اور جس نے غفلت اختیار کی، وہ ناکام رہا- ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ترجمہ : نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّمْ کی تعلیمات کے خلاف جس کسی نے کوئی راہ اپنائی وہ کبھی منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکے گا-

اَللّٰھُمَّ فَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۝

اِلتماس

آں گروہے کز ادب بگریختند   آبِ مردی و آبِ مرداں ریختند

ترجمہ: جس جماعت نے ادب سے راہِ فرار اختیار کی اُنھوں نے انسانیت کو ذلیل کیا، اور انسانوں کو رسوا کردیا۔

حضرت مولانا رُوم رَحمۃ اللہ عَلَیہِ کا مندرجہ بالا شعر گویا سات سو سال پیشتر کی پیشگوئی ہے، جو آج کل کے مسلمانوں کے حق میں آپ نے فرمائی تھی۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ادبِ رسول کا جذبہ، محبتِ فرزند، محبتِ پدر و مادر، محبتِ وطن، محبتِ مال و جاہ تک کے تمام جذبات پر غالب تھا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّم کے ایک اِشارے پر صدہا وجود حرکت میں آنے لگتے تھے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّم آبِ دہن گراتے، تو وہ کسی نہ کسی ہاتھ پر پڑتا تھا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّم مصروفِ تکلّم ہوتے، تو ہزاروں حاضرین اِس طرح سکوت و سکون میں محو ہو جاتے، گویا کسی میں حس و حرکت نہیں۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّم وضو فرماتے، تو بقیہ آب کو لینے اور مُنہ پر ملنے کے لئے لوگ ہر طرف سے ہاتھ پھیلا دیتے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّم کا کوئی تراشہ ناخن یا موئے مبارک گرتا، تو لوگ ادب سے اُٹھا کر احتیاط سے محفوظ رکھتے۔

یہی کمالِ ادب، یہی فرطِ عقیدت اور یہی غایتِ محبت، جسمِ اِسلام میں جان کا کام کر رہی تھی اور یہی وہ طاقت تھی جو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتوں کو اُلٹتی اور روما اور ایران تک کی عظیم الشان اور بااقتدار سلطنتوں کو پائمال کرتی چلی گئی۔ آج

مسلمانوں میں یہ طاقت مضمحل ہو چکی ہے۔ آج محبتِ رسول اور ادبِ رسول کا جذبہ سرد پڑ چکا ہے۔ آج دشمنانِ اسلام ناموسِ رسول پر گستاخانہ تعدی کرتے ہیں، تو شاذ و نادر کوئی اِکّا دُکّا عاشقِ رسول ہی بازپُرس کے لئے جان ہتھیلی پر لے کر نِکلے تو نِکلے۔ ورنہ کافۂ اُمّت پر عافیت پسندی کی وہ غنودگی طاری ہے کہ اس خارزار میں قدم رکھنے کی جُرأت ہی نہیں رہی۔ آج سوانحِ رسول اور حدیثِ رسول کی کتابیں کباڑیوں کی دکانوں پر ایک متاعِ کاسِد کی طرح ردّی حالت میں پڑی ہیں، تو کسی کی رگِ حمیت میں حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ ان کے اوراق پنساریوں کی پڑیوں کے کام آتے ہیں، تو کسی میں جوشِ ایمان کا ولولہ نمودار نہیں ہوتا۔ اِس قسم کے اَخبار، جن میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّم کا نام ذکر اور احوال درج ہوتا ہے، پریس میں پائمال ہوتے ہیں، دفتریوں کی دُکانوں میں گندی زمین پر ان کے ڈھیر لگتے ہیں۔ اِشاعت کے بعد ردّی کی ٹوکریوں میں، چولھوں میں، پاخانوں میں اور گندی نالیوں میں پہنچتے ہیں، مگر کسی مسلمان کے جذبۂ ایمانی میں حرارت پیدا نہیں ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان نہایت کمزور ہیں۔ ذلیل ہیں اور تمام اَقوام سے گرے ہوئے ہیں۔ ادبِ رسول ہی مسلمانوں کی روح تھی۔ اِسی رُوح کے بَل پر ترقی کے میدان میں وہ تابِ دَوش اور زورِ پرواز رکھتے تھے۔ اب وہی روح ناپید ہو چکی ہے۔ اِس لئے اِن کی حیثیت ایک جسمِ بے جان اور لاشِ میت کی سی ہے۔ کوئی اس لاش کو کسی طرح اُٹھائے کہیں لے جائے، کہیں پھینک دے، اِن کو مطلق احساس نہیں۔

ادبِ رسول کے جذبہ کو سب سے پہلے فرقہ شیعہ کے ہاتھوں نقصان پہنچا۔ جس نے کبارِ صحابہ کے حق میں بے ادبانہ طریق سے مُنہ کھول کر اسلام میں عام بے ادبی کا فتح باب کر دیا۔ حتیٰ کہ سَبِّ اَصحاب کا مکروہ فعل بھی اس فرقہ نے داخل عبادات سمجھ رکھا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْجَھْلِ وَالضَّلَالِ حالانکہ گالیاں بکنا دُنیا

کے کسی مذہب میں بھی' بشرطیکہ وہ اپنے آپ کو ایک مہذب مذہب سمجھتا ہو، روا
نہیں اور اہلِ سنت کے ہاں تو فرعون' نمرود اور ابو جہل حتیٰ کہ شیطان کو گالیاں دینا
بھی کوئی رُکنِ عبادت نہیں- جیسا کہ اِمام غزالی رَحمۃ اللہ عَلَیہِ نے اِحیاءُ العلوم میں
لکھا ہے- اِس ترکِ ادب کی شامت یہ ہے کہ یہ فرقہ جو اپنے آپ کو اہلِ بیت کا
سب سے زیادہ حامی' ہوا خواہ' مداح و معتقد سمجھتا ہے، اپنی روایات اور تمثیلات
میں خود اہلِ بیت ہی کی اِس قدر ہتکِ حُرمت اور تخفیفِ عزّت اور تذلیل و تحقیر و
توہین کا مرتکب ہوتا ہے جس کی کسی دُشمن سے بھی توقع نہ ہو- پس اگر یہ لوگ اہلِ
بیت کے دوست ہیں تو سراسر نادان دوست ہیں- ؎

مہرِ ابلہ مہرِ خرس آمد یقین کینِ او مہراست مہرِ اوست کین
عہدِ اوسُست و ویران و ضعیف گفتِ او زفت و وفائے اونحیف

ترجمہ: یقینی طور پر بے وقوف کی محبت ریچھ کی دوستی ہے کہ اس کی
دُشمنی مہربانی اور اس کا مہربان ہونا دُشمنی ہوتا ہے-
اس کا وعدہ کمزور، برباد اور ضعیف ہوتا ہے- اس کی گفتگو، کڑوی، کسیلی اور
اس ایفائے عہد ظلم کے ساتھ ہوتا ہے-

اِسی ترکِ ادب کی شُومی سے اِس فرقہ میں جناب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ
وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے لئے بھی پورا ادب و احترام نہیں- ہمارے ہاں درود شریف پڑھنے
کے کلمات عموماً یُوں ہوتے ہیں- اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّدٍ وَعَلٰی الخ- مگر ان کے ہاں جب مجمع میں درود پڑھا جاتا ہے تو نہایت
غیر مودبانہ لہجہ اور روکھے پھیکے اور غیر جاذبِ قلوب انداز سے یہ غُل بلند ہوتا ہے-
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ- جس میں نہ حضور صَلَّی اللہُ
عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے نام پر سیدنا ومولانا وغیرہ کے مؤدبانہ الفاظ شامل ہوتے ہیں اور نہ
اظہارِ عقیدت وابرازِ محبت کے دوسرے کلمات منضم کئے جاتے ہیں جیسے اہلِ سنت

کے صلوۃ و سلام کے کلمات میں ماثور و متوارث ہیں، جن کے بہترین نمونے دلائل
الخیرات وغیرہ کتبِ صلوۃ میں موجود ہیں- پس یہ سَبِّ اَصحاب کی شومی ہے- ؎

زخا کے کہ بر آسمان افگنی سر و چشم خودرا زیاں افگنی

ترجمہ: وہ مٹی جو آسمان پر پھینکتا ہے (اس سے آسمان کو کوئی نقصان نہیں
ہوتا بلکہ) تو اپنے سر اور آنکھوں کا نقصان کرتا ہے-

فرقۂ شیعہ کے بعد اسلام میں بے ادبانہ قول و عمل کا مرتکب وہ فرقہ ہے
جو تقلیدِ اِمام کا تارک ہے- اور اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتا ہے- جس طرح شیعہ
لوگ جمہور صحابہ خصوصاً حضراتِ شیخین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہما کو بے ادبانہ اَلفاظ سے یاد
کرتے ہیں، اِسی طرح یہ لوگ ائمہ اربعہ خصوصاً امامِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ کا ذکر
نہایت تخفیفِ شان کے ساتھ کرتے ہیں- اِسی لئے سُنا ہے کہ حضرت شاہ اسحاق
صاحب محدث دہلوی رَحمۃ اللہ عَلَیہِ اس فرقہ کو چھوٹے رافضی کے نام سے موسوم
فرمایا کرتے تھے- یعنی صحابہ کا رِفض کرنے والے بڑے رافضی ہیں، تو ائمہ کا رِفض
کرنے والے چھوٹے رافضی- تقلید کو ترک کر دینا یا اُس کو اچھا نہ سمجھنا تو ایک علمی
اختلاف ہے، ہوا کرے- اور علمی و عملی اِختلاف محض اختلاف کی حد تک کوئی سوءِ
ادب نہیں مگر افسوس یہ ہے کہ یہ لوگ اِمامِ اعظم رَحمۃ اللہ عَلَیہِ کی عالمگیر مقبولیت
اور ہفت اقلیم میں ان کے سکۂ اجتہاد کا رواج دیکھ کر حسد سے بیتاب ہو جاتے ہیں-
اور اختلاف کی معتدل حد سے نکل کر سوءِ ادب اور گستاخانہ کلام پر اُتر آتے ہیں-
اِس کا ایک نمونہ دیکھنا ہو تو بنارس کے ایک غیر مقلد مولوی کی کتاب الجرح علیٰ ابی
حنفیہ دیکھ لی جائے- جس میں اِس کے گندہ دہن مؤلف نے حضرت امامِ اعظم رَحمۃ
اللہ عَلَیہِ کو "سگ" جیسے ناپاک اَلفاظ سے یاد کرنے میں بھی دریغ نہیں کیا- نَعُوْذُ
بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّالشَّیْطٰنِ وَشَرِّاِخْوَانِہٖ (ہم شیطان اور اس کے بھائی بندوں کے شر سے
اللہ تَعَالٰی کی پناہ کے طالب ہیں)' تاہم خدا پنج انگشت یکساں نکرد (اس کے باوجود اللہ تَعَالٰی

نے پانچوں انگلیاں برابر نہیں کیں) اس بیباک و شوخ چشم گروہ میں بعض ایسے منصف مزاج اور اعتدال پسند اصحاب بھی موجود ہیں، جو اختلافِ عقیدت کے باوجود امامِ اعظم رَحمۃ اللہ عَلَیۡہِ کی علوِ شان کے معترف اور اُن کی خدمتِ دین کے ثنا خوان ہیں۔ ہمارے ایک اہلحدیث دوست نے، جو انہی نیک اوصاف سے موصوف ہیں، ایک واقعہ بیان کیا، جو دونوں قسم کی نظیروں کا مرقع پیش کرتا ہے۔ ہمارے دوست سے ایک طالب علم نے جو اہلحدیث کے ایک دارالعلوم میں تعلیم پاتا تھا، کہا کہ میرا خیال ہے ہمارے مولانا (محدث دارالعلوم) امامِ اعظم سے بڑھ کر ہیں۔ اِس بات پر ہمارے دوست کو رنج پہنچا۔ اور اس کے جواب میں کہا۔ یہ مولانا تو مولانا ہوئے۔ اگر یہ بھی اور ان کے تمام بزرگ اور سارے شیوخ و اساتذہ بھی مل کر امامِ اعظم رَحمۃ اللہ عَلَیۡہِ کے غلاموں کے غلاموں کی خاکِ پا کی ریس کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے۔

آج کل ایک تیسرا دور شروع ہے، جو دُنیا کے سیاسی انقلابات کا نتیجہ ہے۔ اِس میں مذہب اور مذہب کے آداب اور بانیانِ مذاہب کی وقعت و عزت دلوں سے اُٹھتی جارہی ہے۔ روس اس انقلاب کا علمبردار ہے، جس کے نزدیک خدا اور مذہب کوئی چیز نہیں۔ صرف انسانی تخیلات کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں جو کچھ ہے وہ دولت و جاہ ہے۔ تمام ظاہری و باطنی قوتیں اسی کے لئے صرف کرنی چاہئیں۔ روس کی اس تحریک کے ماتحت قلمروے روس میں گرجاؤں کا صفایا ہو رہا ہے اور قیاسِ غالب ہے کہ چند روز میں یہ عالم ہو گا کہ روس کی طویل و عریض قلمرو میں کسی عبادتگاہ کا نشان تک نظر نہ آئے گا۔ اور نہ کوئی متنفس خدا کے نام سے آشنا ہوگا۔ یہی وبا یورپ کے دوسرے ممالک میں پھیل رہی ہے اور اس کے اثر سے آج کل نوجوانانِ ہندوستان جن میں مسلمان، ہندو، سکھ، پارسی وغیرہ سب مذاہب کے لوگ شامل ہیں متاثر ہوئے جارہے ہیں۔

اِن نوجوانوں کا دعوٰی ہے کہ ہم نہ ہندو ہیں، نہ مسلمان، ہم تو بس

ہندوستانی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو مذہب سے، خدائے مذہب سے اور بانیٔ مذہب سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمارا تن من دھن تو صرف ملک کی مالی و اقتصادی ترقی کے لئے وقف ہے۔ وہ لوگ اہلِ مذہب کو، معتقدانِ انبیاء کو، اور عباد و زہاد کو محض فاتر العقل اور بیوقوف سمجھتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو عقل کل جانتے ہیں۔ ان کے دل میں خدا کی، رسول کی، کعبہ کی اور قرآن کی اس قدر بھی وقعت نہیں جس قدر اُڑد پر سفیدی ہوتی ہے۔

مصحف بزیر پاے گزارند از غرور   دستارِ عقل از سرِ جبریل واکنند

ترجمہ: غرور کی وجہ سے قرآن مجید کو پاؤں کے نیچے مسل دیتے ہیں، حضرت جبریل امین علیہ السلام کے سر سے عقل کی دستار اُتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اِسی دَورِ پرفتن کے ناقابلِ بیان حالات پر مولانا کا یہ شعر صادق آتا ہے کہ۔

آں گروہے کز ادب بگریختند   آبِ مردی و آبِ مرداں ریختند

ترجمہ: جس گروہ نے ادب سے راہِ فرار اختیار کی اُنہوں نے انسانوں کو ذلیل و خوار کیا اور انسانیت کو رسوا کر دیا۔

یعنی جن اسلامی فرقوں کے متعصب لوگوں نے اور جن دُنیا طلب نوجوانوں نے جناب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمۡ کی وقعت اپنے دل سے اُٹھا دی اور آپ کے حق میں بیباکانہ بکواس کرنا اپنا شیوہ بنالیا، اُنہوں نے نہ صرف اپنی بلکہ اپنے مذہب کی اور اپنے اکابرِ اہلِ مذہب کی عزت کو داغدار کر دیا۔

چو از قومے یکے بیدانشی کرد   نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

ترجمہ: جب کسی جماعت سے ایک شخص بے وقوفی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس جماعت کے چھوٹے بڑے کسی کی عزت باقی نہیں رہتی۔

لہٰذا خاکسار نے اپنا یہ فرض سمجھا کہ اِس گمراہی کے عالم میں حق کی آواز بلند کروں- شاید کوئی دیدۂ بینا اور گوشِ شنوا اِدھر متوجہ ہو جائے- اور اس کی ہدایت کا باعث ہو- وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

آخر میں، مَیں اپنے مکرم و محترم دوست جناب حکیم مولوی مرزا محمد نذیر صاحب عرشی شارح مثنوی مولانا روم کا نہایت شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے اس مسودہ کو اوّل سے آخر تک بالاستیعاب پڑھ کر جابجا حک و ترمیم سے اس کی اصلاح اور کئی جگہ مفید باتوں کا اضافہ کیا- جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء-

۱۲/ ربیع الاوّل ۱۳۴۹ھ

ابو البشیر محمد صالح بن مولوی مست علی مرحوم

میترانوالی - ضلع سیالکوٹ - (پنجاب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل :

فضائلِ رسول (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ)

بقول اَلدِّيْنُ كُلُّهٗ اَدَبٌ اسلام کا تمام تر مدار ادب پر ہے- اسلام کے معنے ہیں سر جُھکا دینا یعنی امرِ حق کے لئے اعتراف کا سر خم کر دینا، جو ادب کی خاص شان ہے- اس سے بھی ظاہر ہے کہ دین سراپا ادب ہے- اگر ادب نہیں، تو دین بھی نہیں- ادب کِس کا کیا جاتا ہے؟ جس کو اپنے سے برتر اور افضل سمجھا جائے- کائنات میں جناب رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ سے برتر و افضل کون ہو سکتا ہے-

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ترجمہ : خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تَعَالٰی کے بعد آپ سب سے بڑھ کر قابلِ تعظیم ہستی ہیں-

پس آپ کی تعظیم اور آپ کے لئے رعایتِ ادب بھی اس قدر لازم ہے جو خدائے تَعَالٰی کے بعد اور کسی کا حق نہیں- بعض بیباک اور بے ادب لوگ جو رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ کی عظمت و بزرگی کو کماحقہ نہیں مانتے اور وہ آپ کو معاذ اللہ بشر مثلنا جانتے ہیں، حالانکہ حدیثِ صحیح میں ہے کہ جب تک رسول

اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو تمام مخلوق سے برتر و اعلیٰ نہ مانا جائے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ ع گر حفظِ مَرَاتِب نکنی زندیقی۔ (اگر تو مراتب کا لحاظ نہ کرے تو بے دین ہو جائے گا) تو اُن کی قسمت!۔

تہید ستانِ قسمت راچہ سُود از رہبر کامل   کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

ترجمہ : جن کی قسمت میں خالی ہاتھ رہنا لکھا ہو ان کو رہبر کامل سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام جیسا راہنما بھی سکندر کو آبِ حیات سے پیاسا واپس لے آتا ہے۔

مدارج النبوت اور مواہب اللدنیہ میں مرقوم ہے کہ اگر کوئی شخص تمام عمر صرف لا الہ الا اللہ پڑھتا رہے، وہ کبھی مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کے ساتھ محمد رسول اللہ نہ پڑھے۔ مولانا روم رَحمۃ اللہ عَلَیۡہِ نے مثنوی معنوی میں ایک جگہ خوب بتایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو دوسرے لوگوں کے برابر سمجھتے ہیں، وہ صورت پرست ہیں کیونکہ اُن کو رسول اور غیر رسول کی صورت یکساں نظر آتی ہے۔ حالانکہ فرقِ مراتب کا باعث امر معنوی ہے جس سے رسول، رسول ہے۔ اور غیرِ رسول، غیرِ رسول۔

گر بصورت آدمی انساں بُدے   احمد و بو جہل خود یکساں بُدے

ترجمہ : آدم کی شکل والا ہر شخص اگر انسان ہوتا تو حضرت سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اور ابو جہل برابر ہوتے۔

احمد و بوجہل در بُت خانہ رفت   زیں شدن تا آں شدن فرقیست زفت

ترجمہ : حضرت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اور ابو جہل دونوں بت خانہ میں گئے لیکن اِس کے جانے اور اُس کے جانے میں عظیم فرق ہے۔

آن در آید سر نہند اُورا بتاں   ایں در آید سر نہد چُوں اُمتاں

ترجمہ : نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ داخل ہوئے تو بت آپ کے

سامنے سر بسجود ہوگئے اور ابوجہل اندر آیا تو اس نے عام لوگوں کی طرح بتوں کو سجدہ کیا۔

جمیع انبیاء علیہم السلام عموماً اور جناب رسول اللہ خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ خصوصاً ادب و تعظیم کے مستحق کیوں ہیں؟ اِس لئے کہ وہ تمام بنی آدم بلکہ جملہ ماورائے حق تعالیٰ سے افضل ہیں۔ اب ذرا ان کی افضلیت کی وجوہ سُن لیجئے:

انبیاء اولیاء کے جسم کو زمین نہیں کھاسکتی، وہ قبر میں زندہ ہیں : ابنِ ماجہ میں سیدنا ابو الدرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسم مبارک کو کھا سکے۔ پس خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور اُن کو رزق دیا جاتا ہے۔

تمام اُمت کے اعمال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو قبر میں پیش ہوتے ہیں :

مواہبِ لدنیہ میں ابن المبارک نے حضرت سیدنا سعید بن المسیّب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، کہ کوئی دِن ایسا نہیں ہے کہ نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ پر آپ کی اُمت کے اعمال صبح و شام پیش نہ کئے جاتے ہوں۔

انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں : بیہقی وغیرہ نے سیدنا اَنس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (مواہب لدنیہ)

روضۂ مبارک پر ہر روز نئے ستر ہزار فرشتے آکر درود پڑھتے ہیں : دارمی شریف میں نبیہ بن وہب سے مروی ہے کہ حضرت کعب احبار رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ، اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہا کے پاس آئے اور حاضرین نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کا ذکر کیا تو حضرت کعب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے کہا کہ کوئی دن ایسا نہیں آتا جس میں ستر ہزار فرشتے نہ آتے ہوں یہاں تک کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کی قبر شریف کو بازو مارتے ہوئے احاطہ کرلیتے ہیں اور آپ پر درود پڑھتے ہیں یہاں تک کہ جب شام ہوتی ہے تو وہ آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور دوسرے فرشتے اُسی طرح کے اور اُترتے ہیں اور ایسا ہی کرتے ہیں یہاں تک کہ جب قیامت کے دن زمینِ قبر شق ہوگی تو آپ ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ باہر تشریف لائیں گے کہ وہ آپ کو لے چلیں گے۔

حضرت بروزِ قیامت تمام بنی آدم کے سردار ہوں گے : (اور سب سے پہلے قبر سے نکلیں گے، اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت قبول ہوگی):- صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے، مَیں سردار ہوں گا اولاد آدم کا (یعنی کُل آدمیوں کا) قیامت کے روز، اور میں اُن سب میں پہلا ہوں گا جن کی قبر شق ہوگی۔ (یعنی سب سے اوّل میں قبر سے اُٹھوں گا) اور سب شفاعت کرنے والوں سے پہلا شفاعت کرنے والا مَیں ہوں گا اور سب سے اوّل میری شفاعت قبول کی جائے گی۔

سب سے زیادہ تابعدار حضرت کے ہوں گے اور سب سے پہلے بہشت کا دروازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھٹکھٹائیں گے : صحیح مسلم میں اَنَس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے کہ قیامت کے روز میرے تابعین، ہر پیغمبر کے تابعین سے زیادہ ہوں گے اور میں سب سے پہلے بہشت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

قیامت کے روز حضرت ہی سوار ہوں گے باقی سب پیدل : المواہب اللدنیہ میں ابن زنجویہ سے بروایت کثیر بن مرہ حضرمی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے، میں قیامت کے روز براق پر ہوں گا، اور میں اُس کے ساتھ تمام انبیاء میں سے اُس روز مختص ہوں گا۔

لواءُ الحمد قیامت کے دن حضرت کے ہی دستِ مبارک میں ہوگا : صحیح ترمذی میں ابو سعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے میرے ہاتھ میں قیامت کے روز لواءُ الحمد ہوگا اور یہ میں فخر کی راہ سے نہیں کہتا اور جتنے نبی ہیں، آدم بھی اور اُن کے سوا اور بھی، وہ سب میرے اُس لواء کے نیچے ہوں گے۔

قیامت کے روز کئی ایک امور میں حضرت مُحَمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فخر ہوگا : صحیح ترمذی اور دارمی میں جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے میں سب سے پہلے قبر سے نکلوں گا، جب لوگ مبعوث ہوں گے اور میں اُن کا

پیشرو ہوں گا جب وہ اللہ تعالیٰ کی پیشی میں آئیں گے تو میں اُن کی طرف سے شفاعت کے لئے بات چیت کروں گا جب وہ خاموش ہوں گے تو اُن سب میں مجُھ سے شفاعت کے لئے درخواست کی جائے گی۔ جب وہ مؤقف میں حساب سے محبوس کئے جائیں گے تو میں اُن کا بشارت دینے والا ہوں گا۔ جب وہ نااُمید ہو جائیں گے تو کرامت اور ہر خیر کی کنجیاں اُس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی اور لواءُ الحمد اُس روز میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور میں اپنے پروردگار کے نزدیک تمام بنی آدم سے زیادہ مکرم ہوں گا۔ ایک ہزار خادم میرے اِکرام و خدمت کے لئے میرے پاس آمد و رفت کریں گے اور ایسے حسین ہوں گے گویا کہ وہ بیضے ہیں جو غبار وغیرہ سے محفوظ ہوں یا موتی ہیں جو بکھرے پڑے ہوں۔

حضرت ہی عرش کی داہنی طرف کھڑے ہونگے : صحیح ترمذی میں ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے مجُھ کو جنّت کے جوڑوں میں سے ایک جوڑہ پہنایا جائے گا۔ پھر میں عرش کی داہنی طرف کھڑا ہوں گا کہ کوئی شخص خلائق میں سے بجز میرے اُس مقام پر کھڑا نہ ہوگا۔ (غالباً یہ مقام محمود ہے)۔

پُل صراط سے سب سے پہلے حضرت اپنی اُمّت کو لیکر گزریں گے : صحیحین میں ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے جہنم کے وسط میں پُل صراط قائم کیا جائے گا، سو سب رسولوں سے پہلے میں اپنی اُمت کو لے کر گزروں گا---- (الحدیث)

حوضِ کوثر پر سب سے زیادہ اُمت محمدی ہوگی : صحیح ترمذی میں سمرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے۔ کہ

فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ہر نبی کا ایک حوض ہوگا اور وہ سب اس بات پر فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر لوگ زیادہ آتے ہیں اور مجُھ کو اُمید ہے کہ میرے حوض پر لوگ بہت آئیں گے کیونکہ میری اُمت زیادہ ہوگی۔

سب سے پہلے جنت میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہی داخل ہونگے : صحیح مسلم میں اَنَس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے، میں قیامت کے روز جنت کے دروازہ پر آؤں گا۔ اور اُس کو کھلواؤں گا۔ خازنِ جنت پوچھے گا کہ کون ہے؟ مَیں کہوں گا۔ محمدؐ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم۔ وہ کہے گا کہ آپ ہی کی نسبت مجھ کو حکم ہوا ہے کہ آپ کے قبل کسی کے لئے نہ کھولوں۔

کوثر صرف حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہی کو عطا ہو گا : امام احمد نے اَنَس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کوثر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جنت میں ایک نہر ہے جو مجھ کو میرے پروردگار نے عطا فرمائی ہے۔ وہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔

مقامِ وسیلہ حضرت ﷺ کو ہی عطا ہو گا : صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے کہ جب تم مؤذن کی اذان سُنا کرو تو جو وہ کہے تم بھی کہا کرو۔ پھر مجھ پر درود بھیجا کرو کیونکہ جو شخص مجُھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے، اُس پر اللہ تعالیٰ دس بار رحمتیں بھیجتا ہے۔ پھر میرے لئے وسیلہ کی دعا کیا کرو اور وہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے کہ تمام بندگانِ خدا میں سے اُس کا مستحق ایک ہی بندہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ سو جو شخص

میرے لئے وسیلہ کی دعا کرے گا اُس کے لئے میری شفاعت حلال ہو گی۔

مسند امام احمد میں ابو سعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ کی روایت سے ارشاد نبوی ہے کہ وسیلہ اللہ تَعَالٰی کے نزدیک ایک درجہ ہے، جس سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں ہے۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو ایک ہزار محل جنت میں ملیں گے : حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى مروی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا، کہ اللہ تَعَالٰی نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کو ایک ہزار محل جنت میں دیئے ہیں اور ہر محل میں آپ کی شان کے لائق اَزواج اور خادم ہیں (روایت کیا اس کو ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے)۔

سب سے پہلے حضرتؐ کو ہی بہشت میں داخل ہونیکی اجازت ملے گی: صحیح ترمذی میں ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے میں سب سے پہلے جنت کا حلقہ ہلاؤں گا۔ تو اللہ تَعَالٰی میرے لئے دروازہ کھول دے گا اور مجھ کو اُس میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ فُقراءِ مومنین ہوں گے۔

حضرت تمام اولین و آخرین سے زیادہ مکرم ہیں : صحیح ترمذی اور دارمی میں ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے میں اللہ تَعَالٰی کے نزدیک تمام اولین و آخرین میں زیادہ مکرم ہوں۔

جبرائیل براق سے حضرت کی تمام مخلوق کی نسبت فضیلت بیان کرتے ہیں :

صحیح ترمذی میں اَنس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کے پاس شبِ معراج میں بُراق حاضر کیا گیا تو وہ سوار ہونے کے وقت شوخی کرنے لگا۔ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کیا تو محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کے حضور میں ایسا کرتا ہے تجھ پر تو ایسا کوئی شخص سوار ہی نہیں ہوا ہے جو ان سے زیادہ اللہ تَعَالٰی کے نزدیک مکرم ہو۔ پس وہ (شرم سے) پسینہ پسینہ ہو گیا۔

بیت المقدس میں تمام انبیاء اور ملائکہ آپکے مقتدی بنے اور آپ امام ہوئے : امام احمد ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ جب آپ شبِ معراج کو بیت المقدس میں تشریف لائے اور نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو تمام انبیاء آپ کے ہمراہ مقتدی ہو کر نماز پڑھنے لگے اور ابو سعید کی روایت میں ہے کہ بیت المقدس میں داخل ہو کر فرشتوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ (یعنی فرشتے بھی مقتدی تھے) پھر انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے ملاقات ہوئی اور سب نے اللہ تَعَالٰی کی ثناء کے بعد اپنے اپنے فضائل بیان کئے۔ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے خطبہ کی نوبت آئی۔ جس میں آپ نے اپنا رحمۃ للعالمین ہونا اور مَبْعُوْث اِلٰی کَافَّۃِ النَّاس ہونا اور اپنی اُمت کا خیر الامم و اُمت وسط ہونا اور خاتم النبیین ہونا بھی فرمایا۔ اُس کو سُن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب انبیاء کو خطاب فرمایا بِهٰذَا فَضَلَكُمْ مُحَمَّدٌ یعنی ان ہی فضائل سے محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ) تم سب سے بڑھ گئے۔ (مواہب لدنیہ)۔

حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انبیاء وملائکہ سے بڑھ کر بزرگ ہیں :

دارمی میں ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کو انبیاء پر فضیلت دی اور آسمان والوں یعنی فرشتوں پر بھی۔

حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے منکر دوزخ میں داخل ہوں گے : (آپ کا نامِ مبارک عرش پر لکھا ہوا ہے)

:- انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے ایک بار اپنے کلام میں فرمایا کہ بنی اسرائیل کو مطلع کر دو کہ جو شخص مجھ کو اس حالت میں ملے گا کہ وہ احمد کا منکر ہوگا تو میں اُس کو دوزخ میں داخل کروں گا۔ خواہ کوئی ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ احمد کون ہیں؟ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ قسم ہے اپنی عزّت و جلال کی۔ میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی جس میں کوئی اُن سے زیادہ میرے نزدیک مکرم ہو۔ میں نے ان کا نام عرش پر اپنے نام کے ساتھ آسمان و زمین اور شمس و قمر پیدا کرنے سے بیس لاکھ برس پہلے لکھا تھا۔ قسم ہے اپنی عزت اور جلال کی کہ جنت میری تمام مخلوق پر حرام ہے جب تک کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ اور اُن کی اُمت اس میں داخل نہ ہو جائیں۔ الحدیث (روایت کیا اس کو حلیہ میں)۔

کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کو سب چیزوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں :

صحیحین میں انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اُس کے

نزدیک اُس کے والد اور اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن ہشام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں بجز میرے نفس کے جو میرے پہلو میں ہے۔ یعنی وہ تو بہت ہی محبوب ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے فرمایا کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک خود اُس کے نفس سے بھی زیادہ اُس کو میں محبوب نہ ہوں۔ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی کہ آپ میرے نزدیک اُس نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں جو میرے پہلو میں ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے فرمایا۔ بس اب بات ٹھیک ہوئی۔ (مواہب لدنیہ)۔

ہر کہ او را دوست تر از خود نداند راندہ است   گرچہ آرد یک جہاں طاعت بر ویش وازنند

ترجمہ : جو شخص حضرت سرور کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کو اپنی ذات سے بڑھ کر محبوب نہ رکھے وہ راندۂ دربارِ الٰہی ہے وہ اگرچہ عبادات کا ایک جہاں اپنے ساتھ لائے لیکن یہ عبادات اس کے مُنہ پر مار دی جاتی ہیں۔

حضرت جلال الدین سیوطی رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ نے یہ مستند حدیث اپنی کتاب جامع صغیر میں نقل کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے اَدِّبُوْا اَوْلَادَکُمْ عَلٰی ثَلٰثِ خِصَالٍ حُبِّ نَبِیِّکُمْ وَحُبِّ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَقِرَاءَۃِ الْقُرْاٰنِ (الحدیث) یعنی اپنی اولاد کو تین باتوں کی تادیب کرو۔ ایک اپنے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ سے محبت رکھنا۔ دوسرے ان کے اہلِ بیت سے محبت رکھنا۔ تیسرے قرآن مجید پڑھنا۔

جو شخص حضرت ﷺ کی اطاعت نہیں کرتا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا :

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے، میری تمام اُمت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے میرا کہنا قبول نہ کیا- عرض کیا گیا کہ قبول کس نے نہیں کیا؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی- وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے قبول نہیں کیا-

جو شخص حضرت ﷺ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا :

صحیح ترمذی میں اَنَس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے، جس نے میری سنت سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی- اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا-

اُس کے ساتھ ہوگا وہ کو قیامت سے جس ہے رکھتا آدمی محبت

حضرت ﷺ کے حق میں گستاخی کرنیوالے کو مار ڈالنے سے قصاص نہیں لیا جاتا :

ابوداؤد کتابُ الحدود میں ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نابینا کی ایک اُم ولد تھی جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شان میں بیہودہ حکایت کہا کرتی اور گستاخی کیا کرتی تھی- وہ نابینا منع کیا کرتا، وہ باز نہ آتی، وہ اُس کو ڈانٹتا مگر وہ نہ مانتی- ایک رات اسی طرح اُس نے کچھ بکنا شروع کیا- اُس نابینا نے ایک چھرا لے کر اُس کے پیٹ میں کھونپ دیا اور اُس کو ہلاک کر ڈالا- صبح کو اس کی تحقیقات ہوئی- اُس نابینا نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے اس کا اقرار کیا اور تمام قِصّہ بیان کیا- آپ نے فرمایا، سب گواہ رہو کہ اس کا خون رائیگاں ہے یعنی

قصاص وغیرہ نہ لیا جائے گا-

حضرت کی تعظیم و تکریم صحابہ کی نگاہ میں :

امام بخاری نے کتاب الشروط میں قصہ حدیبیہ کی ایک طویل حدیث نقل کی ہے- اُس میں یہ بھی ہے کہ عروہ بن مسعود رئیسِ مکہ نے آپ ﷺ کی مجلس شریف سے مکہ واپس جا کر لوگوں سے بیان کیا کہ اے میری قوم واللہ میں بادشاہوں کے پاس گیا ہوں اور قیصر و کسریٰ و نجاشی کے پاس گیا ہوں- واللہ میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اُس کے مصاحب اُس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جس قدر صحابہ مُحمّد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی تعظیم کرتے ہیں- واللہ جب کھنکار پھینکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں پہنچتی ہے- اور وہ اُس کو اپنے چہرہ اور بدن کو مل لیتا ہے اور جب آپ اُن کو کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ آپ کے حکم کی طرف دوڑتے ہیں- اور جب آپ وضو کرتے ہیں تو اُن لوگوں کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وضو کا پانی لینے کے لئے گویا اب لڑ پڑیں گے- اور جب آپ کلام فرماتے ہیں تو وہ لوگ اپنی آوازوں کو آپ کے سامنے پست کر لیتے ہیں اور وہ لوگ آپ کی طرف تیز نگاہ سے دیکھتے تک نہیں---- (الحدیث)

حضرت ﷺ کی تعظیم و تکریم حیّاً و میّتاً یکساں ضروری ہے :

جس طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے رفعِ صوت جائز نہ تھا- اِسی طرح آپ کے کلام کے درس اور شرع کے احکام کی نقل کے وقت بھی رفعِ صوت حاضرین و سامعین کے لئے خلافِ ادب ہے- اور اسی طرح محلِ جسدِ شریف کے قریب بھی- چنانچہ مواہب اللدنیہ میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ امیر المؤمنین ابو جعفر منصور خلیفہ عباسی نے امام مالک رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ سے کسی مسئلہ میں مسجد نبوی میں گفتگو کی تو امام مالک رَحمۃ

اللہ عَلَیۡہِ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین تم کو کیا ہوا- اس مسجد میں آواز مت بلند کرو کہ حضور نبوی کا احترام وصال کے بعد وہی ہے جو حالتِ حیات میں تھا- سو ابو جعفر دب گیا- چنانچہ اِس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے- صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے دو شخص اہلِ طائف کو تہدیداً فرمایا تھا کہ تم مسجدِ نبوی میں اپنی آواز بلند کرتے ہو- واللہ اگر تم اہلِ مدینہ سے ہوتے تو میں تمہیں دُرّے لگاتا-

روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام مالک رَحمۃ اللہ عَلَیۡہِ حدیث کا درس دے رہے تھے کہ یکایک آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا مگر آپ درس میں مشغول رہے اور کوئی حرکت نہیں کی- تھوڑی دیر بعد پھر دوبارہ آپ کا رنگ بدل گیا مگر پھر بھی آپ سے کوئی بات ظاہر نہ ہوئی اور بدستور درس حدیث پر متوجہ رہے- تیسری مرتبہ پھر آپ کا چہرہ متغیر ہوا- اتنے میں درس بھی ختم ہو گیا تو آپ نے اپنی قمیص کو اُلٹایا تو اُس میں سے سُرخ زنبور نکلی جس نے متواتر تین مرتبہ آپ کے جسم میں کاٹا مگر آپؒ نے محض حدیث کے ادب سے یہ پسند نہ کیا کہ قمیص کو اُلٹائیں یا زنبور کے کاٹنے کی جگہ کو کھجلائیں یا حاضرین سے اِس کا ذکر کریں جس سے درس میں انقطاع لازم آئے-

مکن زغصہ شکایت کہ در طریقِ ادب براحتے نرسید آنکہ زحمتے نکشید

ترجمہ : اندوہ دل گیری کی شکایت مت کرو کیونکہ ادب کی راہ میں وہ شخص آرام تک نہیں پہنچا جس نے تکلیف برداشت نہ کی ہو-

ایک نابینا شخص محض حضرت کے توسل سے بینا ہو گیا :

ابن ماجہ باب صلوة الحاجت میں عثمان بن حنیف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نابینا نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّمۡ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دعا کیجئے- اللہ تَعَالٰی مجھ کو عافیت

دے- آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے، اس کو ملتوی رکھوں اور یہ زیادہ بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو دعا کروں- اُس نے عرض کیا کہ دعا ہی کر دیجئے- آپ نے اُس کو حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت پڑھے اور یہ دعا کرے-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیۡکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحۡمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیۡ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیۡ فِیۡ حَاجَتِیۡ ھٰذِہٖ لِتُقۡضٰی اَللّٰھُمَّ شَفِّعۡہُ فِیَّ یعنی اے اللہ! مَیں درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ مُحمّد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّمۡ نبیِ رحمت کے- یا رسول اللہ! مَیں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ پوری ہووے- اے اللہ! آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے- بیہقی میں ہے کہ وہ اندھا کھڑا ہو گیا اور بینا ہو گیا-

علمائے محققین ارقام فرماتے ہیں کہ یا محمد کی بجائے یا رسول اللہ کہنا چاہئے کیونکہ نامِ مبارک لے کر پکارنے میں بے ادبی ہے-

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا کے توسل سے نزولِ باراں ہونا :

صحیح بخاری میں اَنَس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ جب لوگوں پر قحط ہوتا تو حضرت عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ کے واسطہ سے بارش کی دُعا کیا کرتے اور فرماتے کہ اللہ! ہم (پہلے) آپ کے دربار میں اپنے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّمۡ کا توسل کیا کرتے تھے- آپ ہم کو بارش دیتے تھے اور اب ہم آپ کے دربار میں اپنے پیغمبر کے چچا کا توسل کرتے ہیں سو ہم کو بارش دیجئے- چنانچہ بارش ہو جاتی تھی-

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضۂ مبارک کے توسل سے بارش کا ہونا :

دارمی میں ابوالجوزاء

رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ میں سخت قحط ہوا۔ لوگوں نے عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عنہا سے شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی قبر مبارک کو دیکھ کر اُس کے مقابل آسمان کی طرف اُس میں ایک سوراخ کر دو یہاں تک کہ اُس کے اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ تو بہت زور کی بارش ہوئی۔

سب سے پہلے حضرت ﷺ کا نُورِ مُبارک پیدا ہوا پھر اُس سے تمام مخلوق پیدا ہوئی :

عبدالرزاق نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عنہ سے روایت کی کہ میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تَعَالٰی نے کون سی چیز پیدا کی؟ آپ نے فرمایا۔ اے جابر! اللہ تَعَالٰی نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نُور اپنے نُور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نُور قُدرتِ الٰہیہ سے جہاں اللہ تَعَالٰی کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اور اُس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا اور نہ بہشت تھی اور نہ دوزخ تھا اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا اور نہ جن تھا اور نہ انسان تھا پھر جب اللہ تَعَالٰی نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اُس نُور کے چار حصے کئے اور ایک حصہ سے قلم پیدا کیا اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ الحدیث۔

از ظلماتِ عدم راہ کہ بُردے بروں   گر نہ شدے نُورِ تو شمعِ رَوان ہمہ

ترجمہ : عدم کی تاریکیوں سے باہر نکلنے کا کس کو رستہ ملتا اگر آپ کا نُورِ مُبارک تمام کائنات کی روحوں کے لئے چراغِ راہ نہ بنتا۔

حضرت ﷺ پیدائشِ آدم سے پہلے نبی تھے :

احمدؒ بیہقی اور حاکم نے عرباض بن ساریہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے بیشک میں اللہ تَعَالٰی کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر ہی میں پڑے تھے۔ یعنی اُن کا پتلا بھی تیار نہ ہوا تھا۔

آدم سروتن در آب و گل داشت   کو حکم بملکِ جان و تن داشت

ترجمہ : آدم علیہ السلام کا سر اور جسم پانی اور کیچڑ کے درمیان تھا اس وقت بھی نبیِ کائنات صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ جسم و جان کی سلطنت کے حکمران تھے۔

حضرت ﷺ نے سب سے پہلے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں بَلٰی کہا: ابی

سہل قطان کی امالی کے ایک جزو میں سہل بن صالح ہمدانی سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، مَیں نے ابو جعفر محمد بن علی (یعنی امام محمد باقر) سے پوچھا کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو سب انبیاء سے تقدم کیسے ہو گیا حالانکہ آپ سب کے آخر میں مبعوث ہوئے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ جب اللہ تَعَالٰی نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پشتوں میں سے اُن کی اولاد کو عالمِ میثاق میں نکالا اور اُن سب سے اُن کی ذات پر یہ اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب سے اوّل جواب میں بلیٰ (کیوں نہیں) محمدؐ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) نے کہا اور اسی لئے آپ کو تمام انبیاء سے تقدم ہے۔ گو آپ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے۔

حضرت ﷺ کے خاندان کا سب سے افضل و اعلیٰ ہونا :

صحیح ترمذی میں عباس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عنہ

سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے، مَیں مُحمّد ہوں، عبداللہ کا بیٹا، اور عبدالمطلب کا پوتا۔ اللہ تعالیٰ نے جو مخلوق کو پیدا کیا تو مُجھ کو اچھے گروہ میں بنایا۔ یعنی انسان بنایا۔ پھر انسان میں دو فرقے پیدا کئے عرب اور عجم۔ مجھ کو اچھے فرقے یعنی عرب میں بنایا۔ پھر عرب میں کئی قبیلے بنائے اور مجھ کو سب سے اچھے قبیلے میں پیدا کیا یعنی قریش میں۔ پھر قریش میں کئی خاندان بنائے اور مُجھ کو سب سے اچھے خاندان میں پیدا کیا یعنی بنی ہاشم میں۔ پس میں ذاتی طور پر بھی سب سے اچھا ہوں اور خاندان میں بھی سب سے اچھا ہوں۔ (الحدیث)

جبرائیل کا حضرت ﷺ کی افضلیت کا اظہار کرنا :

دلائل ابو نعیم میں عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہا سے مروی ہے وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ سے نقل کرتی ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں تمام مشارق و مغارب میں پھرا۔ میں نے کوئی شخص مُحمّد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ سے افضل نہیں دیکھا اور نہ کوئی خاندان بنی ہاشم سے افضل دیکھا۔ وَلَنِعْمَ مَاقِیْلَ

آفاقہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

ترجمہ : مَیں دُنیا کے کونے کونے میں گھوما پھرا ہُوں۔ بہت سے محبوبوں سے مَیں نے مُحبّت کی ہے، مَیں نے بہت سے حسین لوگوں کو دیکھا ہے لیکن آپ کی شان نرالی ہے۔

آنحضرت ﷺ آدم کی پیدائش کے باعث ہوئے :

حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کا نام مبارک عرش پر لکھا دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ)

نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

حضرت آدم کی خطا حضرت ﷺ کے وسیلہ سے معاف ہوئی :

حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے جب آدم علیہ السلام سے خطا کا صدور ہوا تو انہوں نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ اے پروردگار! میں آپ سے بواسطہ محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ) کے درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تم نے مُحمّد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کو کِس طرح پہچانا؟ حالانکہ ہنوز میں نے اُن کو پیدا بھی نہیں کیا۔ عرض کیا کہ اے رب! میں نے اس طرح سے پہچانا کہ جب آپ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح میرے اندر پھونکی تو میں نے سر جو اُٹھایا تو عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سو میں نے معلوم کر لیا کہ آپ نے اپنے نام پاک کے ساتھ ایسے ہی شخص کے نام کو ملایا ہوگا جو آپ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! تم سچے ہو۔ فی الواقع، وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں۔ اور جب تم نے اُن کے واسطہ سے مجھ سے درخواست کی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کی اور اگر مُحمّد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ (روایت کیا بیہقی نے اپنے دلائل میں اور حاکم اور طبرانی نے)۔

آدم علیہ السلام وحوا کا مہر درود شریف مقرر کیا گیا :

ابن الجوزی نے اپنی کتاب صلوۃ الاحزان میں ذکر کیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے حوا علیہا السلام سے قربت کا ارادہ کیا تو اُنہوں نے مہر طلب کیا۔ آدم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے پروردگار! میں اِن کو مہر میں کیا چیز

دوں؟- ارشاد ہوا کہ اے آدم! میرے حبیب، محمد بن عبداللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) پر بیس دفعہ درود بھیجو- چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا-

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ابو بکر اور عمر اہل جنت کے سردار ہوں گے :

صحیح ترمذی میں اَنَس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے اور ابن ماجہ میں علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے ابو بکر اور عمر (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہما) بجز انبیاء و مرسلین کے تمام اگلے اور پچھلے میانہ عمر والے اہل جنت کے سردار ہوں گے- (یہ فضیلت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کے سبب سے ہے)-

فاطمہ زہرا اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی اور حسن وحسین نوجوانوں کے :

صحیح ترمذی میں حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے ایک فرشتہ آیا ہے جو اس شب سے قبل کبھی زمین پر نہیں آیا- اُس نے اللہ تَعَالٰی سے اجازت چاہی کہ مُجھ کو آکر سلام کرے اور مجھ کو بشارت دے کہ فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہا تمام اہلِ جنت کی بیبیوں میں سردار ہوں گی اور حسن وحسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہما تمام اہلِ جنت کے جوانوں میں سردار ہوں گے-

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت سے محبت رکھنے کا حکم :

صحیح ترمذی میں ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے کہ اللہ تَعَالٰی سے اس لئے محبت رکھو کہ وہ تمہیں کھانے کو نعمتیں دیتا ہے- اور مجھ سے محبت رکھو اللہ تَعَالٰی کے ساتھ محبت رکھنے کے سبب سے (یعنی اللہ تَعَالٰی جب محبوب ہے اور میں

اُس کا رسول اور محبوب ہوں- اس لئے مجُھ سے محبت رکھو) اور میرے اہلِ بیت سے محبت رکھو میرے ساتھ محبت رکھنے کے سبب سے (یعنی جب میں محبوب ہوں اور اہلِ بیت میرے منتسب و محبوب ہیں- تو اُن سے بھی محبت رکھو)-

اہلِ بیت کی محبت موجبِ نجات ہے اور بغض وعداوت باعثِ ہلاکت :

احمد نے ابو ذر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ میرے اہلِ بیت کی مثال تم میں ایسی ہے جیسے نوح علیہ السلام کی کشتی جو شخص اُس میں سوار ہوا، اُس کو نجات ہوئی اور جو شخص اُس سے جُدا رہا ہلاک ہوا یعنی ان کی محبت و متابعت' موجبِ نجات ہے اور بغض و مخالفت' سببِ ہلاکت ہے-

صحیح ترمذی میں زید بن ارقم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے کہ میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑتا ہوں کہ اگر تم اُن کو تھامے رہو گے تو کبھی میرے بعد گمراہ نہ ہو گے اور ان میں ایک چیز دوسری سے بڑی ہے- ایک تو کتاب اللہ' کہ وہ رسی ہے آسمان سے زمین تک اور دوسری میری عترت یعنی اہل بیت- اور ایک دوسرے سے کبھی جُدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض پر پہنچیں گے-سو ذرا خیال رکھنا کہ میرے بعد اُن دونوں سے کیا معاملہ کرتے ہو-

جو شخص اہلِ بیت سے محبت نہیں رکھتا وہ کبھی مومن نہیں ہو سکتا :

ترمذی شریف میں عبدالمطلب بن ربیعہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ کسی شخص کے قلب میں ایمان داخل

نہ ہوگا جب تک تم لوگوں سے (کہ میرے اہلِ بیت ہو) اور اللہ اور رسول کے واسطے محبت نہ رکھے۔

سوال: بعض سید صحیح النسب، سنت کے خلاف ہوتے ہیں تو کیا اُن سے بھی محبت رکھنی چاہیے یا نہیں؟

جواب: یہ محبت محض اللہ اور اُس کے رسول کے سبب سے ہے جب کوئی شخص اللہ و رسول ہی کا مخالف ہے تو اُس سے محبت بھی نہ ہوگی۔

صحابہ کرام تمام لوگوں سے بڑھ کر ہیں : نَسائی شریف میں حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے اللہ تَعَالٰی سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے بارے میں۔میرے بعد اُن کو نشانہ (اعتراضات کا) نہ بنانا۔ جو شخص اُن سے محبت کرے گا وہ میری محبت سے اُن سے محبت کرے گا اور جو شخص اُن سے بغض رکھے گا وہ میرے بغض کی وجہ سے اُن سے بغض رکھے گا اور جو اُن کو ایذا دے گا اُس نے مجھ کو ایذا دی۔ اور جس نے مجھ کو ایذا دی اُس نے اللہ تَعَالٰی کو ایذا دینے کا ارادہ کیا اور جس نے اللہ تَعَالٰی کو ایذا دی بہت جلد اللہ تَعَالٰی اُس کو پکڑے گا۔

صحابہ کی خیرات کے ثواب کے برابر کسی کو ثواب نہیں ملتا : صحیحین میں ابوسعید خدری رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے میرے اصحاب کو بُرا نہ کہو کیونکہ اگر تم میں کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر لے، تب بھی اُن صحابہ کے ایک مُد (اڑھائی پاؤ) بلکہ نصف مُد کے درجہ کو بھی نہ پہنچے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی اِقتدا کرنے کا حکم : صحیح ترمذی میں حذیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے

کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے، کہ ان دو شخصوں کی اقتدا کرنا جو میرے بعد ہوں گے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہما۔

صحابہ کی اقتدا سے نجات ملتی ہے : رزین نے حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے، میرے اصحاب مثل ستاروں کی ہیں۔ جس کی اقتدا کرلو گے، ہدایت پاؤ گے۔ یہ فضیلت بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے طفیل سے ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکتی۔

الحاصل وہ شخص جو عقلِ سلیم رکھتا ہے مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ واقعی حبیبِ خدا اشرفِ انبیاء اور ان کے خویش و اقارب اور دوست و آشنا کی شان و عظمت تمام مخلوق سے اعلیٰ اور ارفع ہے اور آپ بے نظیر اور بے مثل انسان ہیں۔ کوئی شخص آپ ﷺ کے مرتبہ کو اب تک نہ پہنچا ہے اور نہ ہی پہنچ سکتا ہے۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد　　کم کسے ز ابدالِ حق آگاہ شد
اشقیاء را دیدۂ بینا نہ بود　　نیک و بد در دیدۂ شاں یکساں نمود
ہمسری با انبیاء برداشتند　　اولیا را ہمچو خود پنداشتند
گفت اینک ما بشر ایشاں بشر　　ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں ندانستند ایشاں از عما　　ہست فرقے درمیاں بے منتہا

یعنی بزرگوں کے افعال کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو اگرچہ ظاہر میں دونو فعل یکساں ہیں جس طرح شیر و شیر لکھنے میں یکساں ہیں اکثر لوگ اسی وجہ سے خراب ہو گئے ہیں کہ اولیاء اللہ کے حالات سے کم واقف ہوتے ہیں۔ شقی لوگوں کو دیدۂ بینا میتسر نہ ہوئی۔ اچھے اور بُرے اُن کی نظر میں یکساں نظر آتے تھے۔ اس وجہ سے

حضرات انبیاء علیہم السلام سے ہمسری کا دعوے کیا- اولیائے کرام کو اپنی مثل سمجھا- اور کہنے لگے کہ ہم بھی بشر ہیں- یہ انبیاء بھی بشر ہیں- ہم اور یہ دونوں کھانے پینے میں برابر ہیں- یہ ان اندھے دل والوں کو نظر نہ آیا کہ دونوں کے درمیان بے انتہا فرق ہے-

اس کے بعد مولانا صاحب اس پر چند مثالیں بیان فرماتے ہیں-

ہر دو یک گل خورد زنبور و نحل   لیک زیں شد نیش و زاں دیگر عسل
ہر دوگوں آہو گیا خوردند و آب   زیں یکے سرگیں شد وزاں مشکِ ناب
ہر دو نے خوردند از یک آبخور   آں یکے خالی و آں پُر از شکر
صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں   فرقِ شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

مثالِ اوّل : دونوں قسم کے زنبور ایک ہی قسم کے پھول چُوستے ہیں- یعنی جس طرح کے پھُول ایک کی غذا ہیں وہی دوسرے کی- مگر ایک کے صرف ڈنک پیدا ہوتا ہے اور دوسرے سے شہد پیدا ہوتا ہے-

دوسری مثال : دونوں قسم کے آہو (ہرن) یہی گھاس اور پانی کھاتے اور پیتے ہیں- ایک سے صرف سرگین (گوبر) پیدا ہوتا ہے اور دُوسرے سے مشکِ خالص حاصل ہوتا ہے-

تیسری مثال : دونوں قسم کے نَے ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے ہیں مگر ایک تو خالی یعنی نر کل اور دوسرا شکر سے پُر ہوتا ہے یعنی نیشکر- اسی طرح لاکھوں نظائر دیکھ لو اور ان میں بہت سا فرق ملاحظہ کرلو- خلاصہ یہ کہ دو چیزوں کے کسی ایک امر میں شریک ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ باقی تمام پہلوؤں سے بھی یکساں ہیں-

ایں خورد گردد پلیدی زو جُدا   واں خورد گردد ہمہ نُورِ خُدا
ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد   واں خورد زاید ہمہ عشقِ اَحد

یعنی اس طرح سمجھ لو کہ اشقیا اور اتقیا میں بہت سا فرق ہے- ایک طعام کھاتا ہے تو اُس سے پلیدی و بخل و حسد پیدا ہوتا ہے اور دوسرا کھاتا ہے تو اُس سے تمام تر نورِ خُدا یعنی عشقِ الٰہی پیدا ہوتا ہے-

ایں زمینِ پاک و آں شور است و بد   ایں فرشتہ پاک و آں دیو است و دد
ہر دو صُورت گر بہم ماند رواست   آبِ تلخ و آبِ شیریں را صفا است
جز کہ صاحب ذوق بشناسد شراب   او شناسد آبِ خوش از شورہ آب
جز کہ صاحب ذوق بشناسد طعوم   شہد رانا خوردہ کے داند زموم

اِس میں شقی اور سعید کے فرق کا بیان ہے کہ ایک تو مثل پاکیزہ زمین کے ہے یعنی سعید، اور دوسرا مثل زمینِ شور کے ہے یعنی شقی- اور اسی طرح ایک مانند فرشتہ کے ہے یعنی سعید- اور دوسرا مثل شیطان و درندہ کے ہے یعنی شقی- اس تفاوت کے ساتھ بھی اگر ظاہراً دونوں میں مشابہت ہو تو ممکن ہے دیکھو آبِ شور اور آبِ شیریں میں کتنا فرق ہے- مگر ظاہراً صفائی کی صفت دونوں میں ہے- اس فرقِ معنوی کو ہر شخص نہیں سمجھتا- مثلاً پینے کی چیزوں کو وہی پہچانے گا جس کی قوتِ ذائقہ دُرست ہو- اُسی کو تمیز ہوگی کہ یہ شیریں پانی ہے اور یہ شور- اسی طرح مزوں کے تفاوت کو وہی پہچانے گا جس کی قوتِ ذائقہ صحیح ہو- اِسی طرح شہد اور موم کے مزے کے فرق کو بے کھائے کب سمجھ سکتا ہے- حاصل یہ کہ اسی طرح جب تک ذوقِ باطنی صحیح نہ ہو نیک و بد میں (جبکہ وہ ظاہر میں متشابہ ہوں) امتیاز نہیں ہو سکتا-

کافراں دیدند احمد را بشر   ایں نے دانند آں شق القمر

ترجمہ : کافروں نے حضرت احمد مجتبیٰ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّم کو صرف بشر جانا یہ لوگ شق القمر کا معجزہ نہ دیکھ سکے-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب دوم :

تعظیم و توقیرِ رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ)

حضرتؐ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) کی تعظیم کرنے کالازمی حکم : اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی عظمت اور تعظیم کو لازم فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ فتح رکوع نمبر۱ میں ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا۝ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ یعنی بیشک بھیجا ہم نے آپ کو (اے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) گواہ (کہ اپنی اُمت کے احوال اور جملہ انبیاء کی تبلیغ رسالت پر قیامت کے روز گواہی دیں) اور خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے تاکہ تم لوگ ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر اور تعظیم و توقیر کرو رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) کی۔

ظاہراً سیاقِ آیت شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے مبعوث کرنے سے آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر ایک مقصود اصلی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ لامِ عِلّت کے تحت میں بیان فرمایا۔

نجات کا انحصار محض حضرت ﷺ کی تعظیم و تکریم ہے : رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی تعظیم و تکریم کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ اعراف رکوع ۹ میں ارشاد فرماتا ہے۔ فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِيۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۝ یعنی پس جو لوگ ایمان لائے اُن پر (یعنی محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ پر) اور تعظیم کی اُن کی اور مدد دی اُن کو اور پیروی کی اُس نُور کی کہ اُتارا گیا ہے اُن کے ساتھ یعنی قرآن مجید یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تعظیم کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے کیونکہ بلاغت کا یہ قاعدہ ہے کہ جب مسند پر ضمیر آئے تو وہ حصر کا افادہ کرتی ہے چنانچہ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ کا مطلب یہ ہوا کہ رُستگاری اور نجات خاص اُنہیں لوگوں کو ہے جن میں یہ سب صفاتِ مذکورہ بالا موجود ہوں۔

محمد عربی کا بروئے ہر دوسراست　　کسیکہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او

ترجمہ : حضرت محمد عربی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ جو دونوں جہانوں کی آبرو ہیں، جو شخص آپ کے درِپاک کی خاک نہیں، اس پر خاک ڈالو۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت (ﷺ) کے ادب کالحاظ رکھنا : اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں متعدد مقام پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ادب و آداب کے بارے میں تاکید فرماتا ہے۔ چنانچہ سورۃ نُور کے رکوع ۲ میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَلَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ۝ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِهٖۤ اَبَدًا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ۝ یعنی اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب

تم نے اس کو سُنا تھا تو بول اُٹھتے کہ نہیں لائق ہم کو کہ ایسی بات زبان پر لائیں۔ الٰہی تو پاک ہے یہ تو بڑا بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا اگر تم مسلمان ہو۔

منافقوں نے عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عنہا کی نسبت ایک ایسی بات مشہور کی تھی، جس کی حکایت بھی مذموم سمجھی جاتی ہے۔ جب ہر طرف اُس کا چرچا ہونے لگا تو صحابۂ کرام نے بھی اس خبر کو حیرت سے آپس میں ذکر کیا۔ ہرچند رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّمَ نے اس امر میں نہایت حلم سے کام فرمایا مگر اللہ تعالیٰ کو یہ کب گوارا تھا کہ اپنے حبیبِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّمَ کے ناموس میں کسی قسم کا دھبہ مسلمانوں کے خیال میں لگے۔ چنانچہ اُسی وقت غیرتِ کبریائی جوش میں آئی اور کمالِ عتاب سے فرمایا کہ اس خبر کو سُنتے ہی تم نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ بہتان ہے۔پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا فضل تھا کہ تم بچ گئے ورنہ عذابِ شدید میں مبتلا کئے جاتے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:- وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُہٗ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ لَمَسَّکُمۡ فِیۡمَاۤ اَفَضۡتُمۡ فِیۡہِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ○ اِذۡ تَلَقَّوۡنَہٗ بِاَلۡسِنَتِکُمۡ وَتَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاہِکُمۡ مَّا لَیۡسَ لَکُمۡ بِہٖ عِلۡمٌ وَّ تَحۡسَبُوۡنَہٗ ہَیِّنًا وَّہُوَ عِنۡدَ اللّٰہِ عَظِیۡمٌ ○ (سورۂ نُور رکوع ۲) یعنی اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اُس کی رحمت دُنیا اور آخرت میں تو تُم پر آپڑتی اُس کے چرچا کرنے میں کوئی بڑی آفت جب تم اس کو لینے لگے اپنی زبانوں پر اور کہنے لگے اپنے مُنہ سے ایسی بات جس کی تم کو خبر نہیں اور تم اس کو سمجھتے ہو ہلکی بات، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی بات ہے۔

اس میں شک نہیں، کہ جن لوگوں نے یہ خبر اُڑائی تھی، منافق تھے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے وَالَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ○ (سورۂ نور، رکوع ۳) یعنی اور جس نے طوفان کا بڑا حصہ لیا ان میں سے،

اُس کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اس کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد عبداللہ بن ابی ابن سلول ہے جو منافقوں کا سرغنہ تھا مگر صحابۂ کرام یہ تو جانتے ہی نہ تھے کہ لوگ منافق ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جن کو دشمنوں کی بھی پردہ دری منظور نہ تھی، منافقوں کے نام عموماً بتائے نہ تھے۔ جس سے اِس خبر کے سننے والے جان لیتے، کہ اس کا منشا انہیں موذیوں کا خبثِ باطن ہے۔ پھر ان حضرات کے نزدیک کون سی دلیل تھی جس سے اس خبر کی قطعاً تکذیب کر دیتے اور اس عام افواہ کو باطل سمجھتے۔ اگر نفسِ خبر کو دیکھئے تو شرعاً اور عرفاً ہر طرح سے محتملِ صدق و کذب ہے اور اگر مخبروں کے تعدد اور خبر کی شہرت کا لحاظ کیجئے تو دوسری جانب کی ترجیح ہوئی جاتی ہے۔ باوجود اس کے کلامِ الٰہی جو زجر و توبیخ کر رہا ہے کہ اُس کی تکذیب میں تامل کیوں کیا۔ پھر اس کے علاوہ یہ سرزنش کہ خدا تعالیٰ کا فضل تھا جو بچ گئے ورنہ اس معاملہ میں سخت عذاب نازل ہوتا، اس کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ پاسِ ادب میں تساہل کیا گیا، کمالِ ادب و حُسنِ عقیدت کا تقاضا یہی تھا کہ صاف کہہ دیتے کہ ازواجِ مطہرات جن کو ایک خاص نسبت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ حاصل ہے۔ اُن کی شان میں ہم ایسا گمانِ فاسد ہرگز نہیں کرسکتے۔ اس خبر کی تکذیب کے واسطے یہ ایک قرینہ ایسا کافی و وافی تھا کہ اُس کے مقابل اگر ہزار شہرت بھی ہو، قابلِ التفات نہیں۔

الحاصل اِس معاملہ میں ایک قسم کی کسرِ شان حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی لازم آتی تھی اس لئے ان آیات میں مسلمانوں کی تادیب کر دی گئی۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ ہمیشہ اس قسم کے امور سے احتراز اور اجتناب کیا کریں۔ چنانچہ سورہ نُور میں ارشاد ہوتا ہے۔ یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِہٖۤ اَبَدًا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ○ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا،

اگر تم مسلمان ہو۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنے کی ممانعت :

جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کا پاسِ ادب یہاں تک ملحوظ ہے کہ آپ کی آواز سے بلند آواز کرنے کی بھی ممانعت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ حجرات رکوع ۱ میں ارشاد فرماتا ہے:
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَهۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ۝ یعنی اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازوں کو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی آواز سے اور نہ رسول کے ساتھ بہت زور سے بات کرو، جیسے زور زور سے بات کیا کرتے ہو ایک دوسرے سے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا سب کیا کرایا اکارت ہو جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے قسم کھائی کہ اب میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے ایسی آہستہ بات کروں گا جیسے کوئی راز کی بات کہتا ہے علاوہ اس کے عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے اس قدر آہستہ بات کیا کرتے تھے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو دوبارہ پوچھنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔

(۱) عَنۡ نَافِعِ بۡنِ عُمَرَ عَنِ ابۡنِ اَبِیۡ مُلَیۡکَةَ قَالَ كَادَ الۡخَیِّرَانِ اَنۡ یَّهۡلِکَا اَبَا بَکۡرٍ وَّعُمَرَ رَفَعَا اَصۡوَاتَهُمَا عِنۡدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ حِیۡنَ قَدِمَ عَلَیۡهِ رَکۡبُ بَنِیۡ تَمِیۡمٍ فَاَشَارَ اَحَدُهُمَا بِالۡاَقۡرَعِ بۡنِ حَابِسٍ اَخِیۡ بَنِیۡ مُجَاشِعٍ وَاَشَارَ الۡاٰخَرُ بِرَجُلٍ اٰخَرَ قَالَ نَافِعٌ لَّاۤ اَحۡفَظُ اسۡمَهٗ فَقَالَ اَبُوۡبَکۡرٍ

لِعُمَرَ مَاۤ اَرَدۡتَّ اِلَّا خِلَافِیۡ قَالَ مَاۤ اَرَدۡتُّ خِلَافَکَ فَارۡتَفَعَتۡ اَصۡوَاتُهُمَا فِیۡ ذٰلِکَ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ اَلۡاٰیَةَ قَالَ ابۡنُ الزُّبَیۡرِ فَمَا کَانَ عُمَرُ یُسۡمِعُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی یَسۡتَفۡهِمَهٗ۔

صحیح بخاری میں نافع بن عمر ابن ابی مُلیکہ سے روایت کرتے ہیں کہ دو نیک شخص یعنی ابو بکر و عمر ہلاک ہونے کو تھے کہ اُنھوں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے روبرو اپنی آوازیں بلند کیں جبکہ آپ کے پاس قبیلہ بنی تمیم کے سوار آئے۔ ایک نے کہا کہ اقرع بن حابس جو قبیلہ بنی مجاشع میں سے ہے امیر مقرر ہو۔ دوسرے نے کسی اور کے لئے اشارہ کیا۔ نافع کہتے ہیں مجھ کو اس کا نام یاد نہیں رہا۔ اس وقت ابو بکر نے عمر سے کہا۔ اس معاملہ میں تم صرف میری مخالفت کرتے ہو۔ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے جواب دیا۔ میں تمہاری مخالفت نہیں چاہتا۔ اس میں دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مسلمانو! اپنی آوازیں بلند نہ کرو۔ الخ، ابنِ زبیر کا قول ہے کہ پھر تو عمر کا یہ طریقہ ہو گیا کہ جب تک رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ پوچھ نہ لیتے تھے کہ یہ تم نے کیا کہا، عمر کی کوئی بات سمجھ نہ سکتے تھے۔

(۲) عَنۡ مُوۡسَی بۡنِ اَنَسٍ عَنۡ اَنَسِ بۡنِ مَالِکٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ افۡتَقَدَ ثَابِتَ بۡنَ قَیۡسٍ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ اَنَا اَعۡلَمُ لَکَ عِلۡمَهٗ فَاَتَاهُ فَوَجَدَهٗ جَالِسًا فِیۡ بَیۡتِهٖ مُنۡکِسًا رَاۡسَهٗ فَقَالَ لَهٗ مَا شَاۡنُکَ فَقَالَ شَرٌّ کَانَ یَرۡفَعُ صَوۡتَهٗ فَوۡقَ

صَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ اَنَّهُ قَالَ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ مُوْسٰى فَرَجَعَ اِلَيْهِ الْمَرَّةَ الْاٰخِرَةَ بِبِشَارَةٍ عَظِيْمَةٍ فَقَالَ اذْهَبْ اِلَيْهِ فَقُلْ لَهُ اِنَّكَ لَسْتَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَلٰكِنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔

موسیٰ بن اَنَس نے اَنَس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ثابت بن قیس کو تلاش کیا تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ کے پاس اُن کی خبر لائے دیتا ہوں۔ چنانچہ گئے تو اُن کو اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے پایا۔ پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ ثابت نے کہا۔ بُرا حال ہے۔ میں اپنی آواز رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی آواز سے اُونچی رکھا کرتا تھا اس لئے میرے عمل نابود ہو گئے اور میں دوزخی ہو گیا۔ پھر وہ شخص رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے پاس آیا۔ اور عرض کیا کہ ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ یہ کہتے ہیں موسیٰ کا قول ہے کہ وہ شخص ثابت کے پاس دوسری مرتبہ بہت بڑی بشارت لے کر گیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ثابت سے کہہ دو کہ تم دوزخیوں میں سے نہیں ہو۔ بلکہ جنتیوں میں سے ہو۔ (چنانچہ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے) یعنی آیت کا یہ مطلب نہیں ہے جو ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے سمجھا۔ بلکہ بے ادبی سے شور کرنا پیغمبر کے روبرو منع ہے اور جس کی پیدائشی آواز بلند ہو تو وہ معذور ہے۔

سبحان اللہ! رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے اصحاب کیا باادب تھے اور دل میں کس قدر خوف و خشیت تھی۔

لا تخافوا ہست نزلِ خائفاں ہست درخور از برائے خائف آں

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کی ضیافت لاتخافوا (مت خوف کھاؤ) ہے یہ ڈرنے والوں ہی کے لئے لائق ہے۔

نے زور یا ترس و نے از موج و کف چوں شنیدی تو خطابِ لا تخف

ترجمہ: دریا اس کی موجوں اور اس کی جھاگ کا کوئی خوف نہیں جب تو نے لا تخف (خوف نہ کھاؤ) کا خطاب سُن لیا۔

(۳) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اسْتَأْذَنَ اَبُوْ بَكْرٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ عَائِشَةَ عَالِيًا فَلَمَّا دَخَلَ تَنَاوَلَهَا لِيَلْطِمَهَا وَقَالَ اَلَا اَرَاكِ تَرْفَعِيْنَ صَوْتَكِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْجِزُهُ وَخَرَجَ اَبُوْبَكْرٍ مُغْضَبًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ خَرَجَ اَبُوْ بَكْرٍ كَيْفَ رَاَيْتِنِيْ اَنْقَذْتُكِ مِنَ الرَّجُلِ قَالَ فَمَكَثَ اَبُوْبَكْرٍ اَيَّامًا ثُمَّ اسْتَاْذَنَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَهُمَا قَدِ اصْطَلَحَا فَقَالَ لَهُمَا اَدْخِلَانِيْ فِيْ سِلْمِكُمَا كَمَا اَدْخَلْتُمَانِيْ فِيْ حَرْبِكُمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلم قَدْ فَعَلْنَا قَدْ فَعَلْنَا۔ (رواہ ابوداؤد فی کتاب الادب)

نعمان بن بشیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے پاس آنے کی اجازت چاہی اور اتفاقاً عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہا کو بڑی آواز سے

بولتی سُنا- آپ نے گھر میں جاکر عائشہ کو طمانچہ مارنے کے لئے پکڑا اور یہ کہا میں تم کو دیکھتا ہوں کہ اپنی آواز رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے اونچی رکھتی ہو- اس وقت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ ابو بکر صدیق کو روکتے رہے اور ابو بکر خفا ہو کر چلے گئے- رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے ابو بکر صدیق کے چلے جانے کے بعد فرمایا- کیوں دیکھا میں نے تم کو ایک مرد کے ہاتھ سے بچالیا- نعمان کا قول ہے کہ ابو بکر صدیق نے چند یوم توقف کیا- اور ایک دن پھر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے پاس آنے کی اجازت چاہی- اور یہ دیکھا کہ دونوں نے صلح کرلی ہے' ابوبکر نے کہا جس طرح تم دونوں نے مجھے اپنی لڑائی میں دخیل کرلیا تھا صلح میں بھی کرو- رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا اچھا ہمیں منظور ہے- اچھا ہمیں منظور ہے- روایت کیا اس کو ابوداوٗد نے کتاب الادب میں-

الحاصل غور کرنے کا مقام ہے کہ صرف اتنی بے ادبی کہ بات کہنے میں آواز بلند ہو جائے، اس کی یہ سزا ٹھہرائی گئی، کہ صحابہ کرام کے تمام اعمال اور عمر بھر کی جانفشانیاں حبط اور اکارت ہوجائیں جن کے ایک عمل کے برابر ہماری ساری عمر کے اعمال نہیں ہوسکتے' چنانچہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کوہ احد کے برابر سونا خیرات کرے تو صحابی کی ایک مد(۸۰تولہ) بلکہ آدھی مد(۴۰تولہ) کے برابر نہیں ہوسکتا جس کا وزن پاؤ سیر سے کچھ زیادہ ہوتا ہے- پھر اس سزا کو دیکھئے تو یہ وہ سزا ہے جو کافروں کے واسطے مقرر ہے- چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ توبہ رکوع ۳ میں فرماتا ہے: اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ وَفِی النَّارِ ھُمْ خٰلِدُوْنَ○ یعنی یہ وہی لوگ ہیں کہ اکارت ہوگئے اُن کے اعمال اور یہی لوگ آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں-

اب یہ معلوم کرنا چاہئے کہ اس کا منشا کیا تھا- یہ بات ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا حلم کچھ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ بلند آواز سے بات کرنا تو کیا

کافروں نے دندان مبارک کو شہید کردیا- اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، مگر کچھ نہ کہا، بلکہ اور دعائیں دیں- (شفا) تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ بسا اوقات دست بوسی سے منع فرما دیا- اس ارشاد کے ساتھ کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے کہ اپنے سلاطین کی دست بوسی کیا کرتے ہیں اور میں ایک شخص تمہیں میں کا ہوں' حالانکہ حدیث شریف سے دست بوسی بلکہ پابوسی ثابت ہے (شفا) اگر کوئی تعظیم کے لئے اُٹھنا چاہتا' تو منع فرما دیتے، حالانکہ خود حدیث شریف سے اس قیام کی اجازت ثابت ہے- (شفا)

الحاصل اس قسم کی بیشمار حدیثیں ہیں جن سے ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سی تواضع اور اخلاق دوسرے سے ممکن نہیں اور کیونکر ہوسکے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے وہ اخلاق تھے جن کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ○ یعنی "یقیناً آپ بہت بڑے خلق پر ہیں"- اور خوش خلقی کا جزوِ اعظم یہی صفت ہے کیونکہ یہ بات تو تجربہ سے بھی ظاہر ہے کہ جس میں تواضع نہیں ہوتی، وہ شخص خوش خلق نہیں ہوتا اور جس شخص کے اخلاق درست ہوتے ہیں، اس میں تواضع ضرور ہوتی ہے-

غرض حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تواضع اور خوش خلقی کی وجہ سے وہ آداب' جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ متعلق ہیں' مسلمانوں کو شرعاً معلوم ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، سوائے اس کے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں بیان فرمادے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس آیت شریف میں ایک ادنیٰ سی بات کو ذکر فرمایا، کہ اگر کوئی شخص حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے روبرو پکار کے بات کرے- اُس کے سارے اعمال اکارت اور برباد ہوجائیں گے- پس عقلمند کو چاہئے کہ اس پر قیاس کرلے کہ جب ادنیٰ سی بے ادبی اور گستاخی کا انجام یہ ہو تو اور گستاخیوں کا کیا حال ہوگا-

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ اتنی سی گستاخی کی جو اس قدر سخت سزا ٹھہرائی گئی، اس میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی کوئی درخواست نہ تھی بلکہ اس کا منشا صرف غیرتِ الٰہی تھا کہ اپنے حبیبِ کریمؐ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی کسرِشان کسی قسم سے نہ ہونے پائے۔ اسی وجہ سے صحابۂ کرام ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ کہیں کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہو جس سے غیرتِ الٰہی جوش میں آجائے۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب　　بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

ترجمہ: ہم اللہ تعالٰی سے ادب کی توفیق کے طلبگار ہیں کیونکہ بے ادب اللہ تعالٰی کے فضل سے محروم رہ جاتا ہے۔

پھر جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام اس عالم سے تشریف لے گئے تو کیا ہوسکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی محبوبیت میں یا غیرتِ کبریائی میں کوئی فرق آ گیا ہو۔ (نعوذ باللہ من ذلک) کوئی مسلمان اس کا قائل نہ ہوگا کیونکہ صفاتِ الٰہیہ میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں۔ پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ آیت اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَاتَشۡعُرُوۡنَ○ (سورہ حجرات) (یعنی ایسا نہ ہو، کہ اکارت ہو جائے تمہارا سب کیا کرایا اور تم کو خبر بھی نہ ہو) کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ ظاہر اور باطن میں ایسا مودب رہے جیسے صحابۂ کرام رہتے تھے اور یہ نہ سمجھے کہ صرف حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے روبرو ہی ادب کی ضرورت تھی اب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالٰی اپنے حبیب پاک کا ہمیشہ ہی حامی ہے۔

اگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے روبرو صحابہ کا بلند آواز سے بات کرنا مستوجب سزا ٹھہرایا گیا تو موجودہ حالت میں ہمارے لئے حضور کے ذکر میں یا حضور کی حدیث کے بیان میں بلند آواز سے بولنا اور آپ کی شانِ ادب کو ملحوظ نہ رکھنا جرم کا مترادف ہے۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے پیش دستی کرنے کی ممانعت: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے کسی حالت میں بھی پیش دستی یا سبقت کرنے کی اجازت نہیں چنانچہ اللہ تعالٰی سورہ حجرات ع۱ میں ارشاد فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ○ یعنی اے ایمان والو! پیش دستی نہ کرو اللہ اور اُس کے رسول کے روبرو اور ڈرو اللہ سے' بیشک اللہ سُنتا جانتا ہے۔

شانِ نزول: اس آیت کا شانِ نزول اس طرح پر ہے کہ چند لوگوں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے قربانی کرنے سے پہلے عید الاضحیٰ کو قربانیاں کر لیں۔ اس امر کی مخالفت میں یہ آیت نازل ہوئی، گویا انہیں حضور علیہ الصلوۃ والسُّلام پر سبقت کرنے سے منع فرمایا کہ اے ایمان والو، قربانی نہ کرو تم اپنے نبی کے قربانی کرنے سے پہلے اور نہ روزہ رکھو تم اپنے نبی کے روزہ رکھنے سے پہلے۔ (روایت کیا اس کو جابر و عائشہ نے)۔

مقصود اِس آیت سے مسلمانوں کو ادب سکھلانا ہے کہ کسی قول و فعل میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے پیش دستی نہیں کرنی چاہیئے۔

مسجدِ نبوی میں اگر کوئی شخص کچھ دریافت کرے تو خود جواب نہ دے بیٹھے بلکہ منتظر رہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کیا جواب دیتے ہیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے پہلے کسی بات کا اپنی طرف سے جواب دے دینا یا کسی کام کا کر بیٹھنا سب بے ادبی ہے۔

نگاہ دار ادب در طریقِ عشق و نیاز　　کہ گفتہ اند طریقت تمام آداب است

ترجمہ : عشق و نیاز کی راہ میں ادب کا خیال رکھ کیونکہ بزرگوں کا فرمان ہے کہ طریقت ساری کی ساری ادب ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مومنوں کو طریقِ آدابِ رسول اللہ ﷺ بتلانا اور اہانت والے کلمات سے منع فرمانا :

اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ادب مومنوں کو بتلاتا ہے کہ کوئی ذُومعنیٰ لفظ جس کے ایک معنے توہین آمیز ہوں، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے بات چیت کرتے وقت استعمال نہ کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ رکوع ۱۲ میں ارشاد فرماتا ہے:- یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ○

تفسیر درِ منثور میں ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ صحابۂ کرام رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی مجلس میں بیٹھ کر آپ کے پند و نصائح سُنا کرتے تھے اور جب کوئی بات اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتی تھی تو رَاعِنَا کہتے تھے۔ یعنی ہماری رعایت کیجئے اور مکرر فرمایئے۔ یہودی بدبخت بھی یہی لفظ عین کے کسرہ کا اِشْباع کرکے کہتے تھے۔ رَاعِیْنَا۔ (یعنی اے ہمارے چرواہے) حضرت مُعاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ اس بات کو سمجھ گئے۔ اور ان بدبختوں سے کہنے لگے کہ اے دشمنانِ خُدا! اب اگر میں نے تم سے یہ لفظ سُنا تو بخدا تم کو قتل کرڈالوں گا۔ وہ بولے کہ تم خود بھی تو یہی کہتے ہو، اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس کے معنی یہ ہیں کہ اے مسلمانو تم اس لفظ رَاعِنَا ہی کو چھوڑ دو۔ (جس کے دو معنے ہوسکتے ہیں۔ اگرچہ تم اچھے معنے میں اس کا استعمال کرتے ہو، لیکن کافروں کو وہ لفظ دوسرے معنے میں استعمال کرنے کا موقع مل جاتا ہے) لہٰذا اُنْظُرْنَا کہا کرو، اور سُنا کرو، اور کافروں کے

لئے دردناک عذاب ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ اگرچہ کافر رَاعِنَا کی جگہ رَاعِیْنَا دبا کر کہتے تھے، مگر بیان واقعی تھا کچھ غلط نہ تھا یعنی فی الواقعہ آپ نے بکریاں چرائی ہیں اور ایک آپ ﷺ پر ہی کیا منحصر ہے۔ حضرت یوسفؑ حضرت موسیٰ علیہما السلام وغیرہا ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں، بلکہ بزرگانِ دین نے لکھا ہے کہ ہر نبی کا راعیِ غنم ہونا حکمتِ الٰہیہ پر مبنی ہے تاکہ اس میں راعیِ اُمت ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ مولانا جامی رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ فرماتے ہیں:-

بحکم آنکہ امت پروری را شبان لائق بود پیغمبری را
چو یوسف با ہزاراں کامرانی ہمیزد سر تمنائے شبانی

ترجمہ : چونکہ نبی نے امت کی پرورش کرنا ہوتی ہے اس لئے بکریاں چرانے والا ہی نبوت و رسالت کے لائق ہوتا ہے۔

جس طرح کہ حضرت یوسف علیہ السلام اگرچہ ان کو ہزاروں کامرانیاں حاصل تھیں لیکن بکریاں چرانے کی تمنا کا خیال ان کو آتا تھا۔

مسلمان تو فقط رَاعِنَا کہتے تھے۔ کافروں کے معنے مقصود کا تصور اُن کے دل میں نہ تھا۔ پھر ممانعت کی گئی تو اس کی کیا وجہ تھی؟ وجہ یہ تھی کہ گو رَاعِنَا یا رَاعِیْنَا کسی معنی میں بھی نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے لئے موجب توہین نہ تھا مگر کفار کا اس کو موجبِ توہین سمجھ کر استعمال کرنا بھی غیرتِ الٰہیہ کو گوارا نہ ہوا۔ اور مسلمانوں کی زبان سے ایک ایسے لفظ کا استعمال بھی ناپسند ٹھہرایا گیا جو اگرچہ کسی پہلو سے بھی موجب اہانت نہیں مگر کفار کے اختیار کردہ لفظ کے ساتھ اس کو لفظی اشتراک ہے۔ یہ آپ ﷺ کے لئے کمالِ رعایت ادب ہے۔

باصفا ضمیران بادب باش کہ بسیار از آبِ گہر آئینہ زنگار گرفت است

ترجمہ : صاف دل لوگوں کے سامنے باادب رہو کہ کئی دفعہ آب گوہر سے

آئینہ یعنی مردِ کامل کے دل کو رنگ لگ جاتا ہے۔ یعنی شیخ کامل کا دل اتنا لطیف اور حساس ہوتا ہے کہ آبِ گوہر میں لفظِ آب سے اثرپذیر ہو جاتا ہے۔

غرض ہر چند صحابۂ کرام اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کیا کرتے تھے ـــــ مگر چونکہ دوسری زبانوں میں اس کا استعمال توہین کی غرض سے تھا اس لئے اللہ تَعَالٰی نے اس کے استعمال سے مطلقاً منع فرمادیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایتہ بھی توہین مراد نہ تھی بلکہ صرف دوسری زبان کے لحاظ سے اس کا استعمال ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظِ ناشائستہ جس میں صراحتاً کسرِشان ہو کیونکر جائز ہوں گے۔ اگر کوئی کہے کہ مقصود ممانعت سے یہ تھا کہ یہود اس لفظ کو استعمال نہ کریں تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے مگر اس میں شک نہیں کہ نہی صراحتاً خاص مومنین کو ہوئی جن کے نزدیک یہ لفظ محلِ تعظیم میں مستعمل تھا۔ اس میں نہ یہود کا ذکر ہے نہ اُن کے لغت کا۔ اگر صرف یہی مقصود ہوتا تو مثل اور ان کی شرارتوں کے اُس کا ذکر بھی یہیں ہو جاتا۔ صرف مومنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ کو نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں۔ پھر اُس کی سزا یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ لفظ کہے، خواہ کافر ہو یا مسلمان، اس کو قتل کر دیا جائے۔ بالفرض اگر کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ وہ حکم عام تھا، بیشک مارا جاتا اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ تم نے اس سے کیا مُراد لی تھی۔

اب غور کرنا چاہئے کہ جو الفاظ خاص توہین کے عمل میں استعمال ہوتے ہیں بھلا وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحتاً ہو یا کنایتہ کس درجہ قبیح اور مذموم ہوں گے۔ اگر صحابۂ کرام کے روبرو جن کے نزدیک رَاعِنَا کہنے والا مستوجب قتل تھا، کوئی اس قسم کے الفاظ کہتا تو کیا اُس کے قتل میں

کچھ تامل ہوتا یا یہ تاویلاتِ باردہ مفید ہوسکتیں، ہرگز نہیں۔ مگر اب کیا ہوسکتا ہے، سوائے اس کے کہ اس زمانہ کو یاد کرکے اپنی بے بسی پر رویا کریں۔ اب وہ پُرانے خیالات والے پختہ کار لوگ کہاں؟ جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے مشرق و مغرب میں نصب کر دیئے تھے۔ ان خیالات کے جھلملاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانہ کی ہوا دیکھ نہ سکی۔ غرض میدان خالی پاکر جس کا جی چاہتا ہے کمالِ جُرأت کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اس دلیری کو دیکھئے کہ وہ گستاخیاں اور بے ادبیاں جو قابلِ سزا تھیں اُنہیں پر ایمان کی بنا قائم کی جارہی ہے۔ جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون سمجھنے میں البتہ غور و تامل درکار ہے۔

گر تو ہستی طالب راہِ ھدیٰ ذرہ ذرہ کُن ادب با کبریا
در ہمہ کردار با اخلاصِ رب استقامت دار در راہِ ادب
ہرچہ فرماید ترا شرعِ رسول یک سرِ مُو زاں نبے باید عدول
اے پسر ہرگز مکن ترکِ ادب تانیفتی از مقامِ قربِ رب
مرد یابد از ادب راہِ ہُدائے بلکہ یابد از ادب قربِ خُدا
از ادب زندیق صدیقے شود بے ادب صدیق زندیقے شود
گرادب در جملہ شے داری نگاہ بیگماں گردی ز خاصانِ الہ

ترجمہ: اگر تو راہِ ہدیٰ کا طالب ہے تو اللہ تَعَالٰی کی بارگاہ میں ادب کے ہر دقیقہ کو مدِّنظر رکھ۔

تمام کاموں میں اللہ تَعَالٰی کے ساتھ اخلاص کے ساتھ ساتھ، ادب کی راہ میں ثابت قدم رہ۔

حضرت رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی شریعت کا جو حکم بھی ہو اس سے بال برابر بھی حکم عدولی نہ چاہئے۔

اے لڑکے! ادب ہرگز ترک نہ کر تاکہ اللہ تَعَالٰی کے حضور قرب کے مقام

سے تو کہیں گر نہ پڑے۔

آدمی ادب کے ذریعہ سے ہدایت کا رستہ پالیتا ہے بلکہ ادب کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرلیتا ہے۔

ادب کے باعث بے دین صدیقیت کا مقام پالیتا ہے اور صدیقیت کے مقام پر فائز بے ادبی کے باعث زندیق قرار پاتا ہے۔

اگر تمام معاملات میں ادب کو ملحوظ خاطر رکھے گا تو بلاشبہ تو اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں شامل ہو جائے گا۔

حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کونام سے پکارنے کی ممانعت : امم سابقہ اپنے انبیاء کو نام لے کر پکارا کرتیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ (۱) اسباط نے کہا۔ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ (سورہ بقر رکوع ۷) یعنی اے موسیٰ ہم ہرگز نہ رہیں گے ایک کھانے پر۔

(۲) حواریوں نے کہا۔ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (سورہ مائدہ رکوع ۱۵)۔ یعنی اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تمہارے پروردگار سے ہو سکے گا کہ ہم پر آسمان سے بھرا خوان اتارے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ پاک کی تعظیم و توقیر کے لئے اُمت محمدیہ کو ان کا نام لے کر پکارنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ سورۂ نُور رکوع ۹ میں ہے۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۝ یعنی مسلمانو! رسول کے بلانے کا وہ طریقہ اختیار نہ کرو، جیسے آپس میں تم میں ایک دوسرے کو بلایا کرتے ہو۔

تفسیر در منثور میں مرقوم ہے کہ ابو نعیم، عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یُوں رقم طراز ہیں کہ پہلے لوگ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو یا محمد یا اباالقاسم (یعنی بحسب عرف صرف نام و کنیت کے ساتھ) کہہ

کر بلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی تعظیم کی خاطر نام سے پکارنے کو منع فرمایا۔ تب سے صحابۂ کرام نے یا نبی اللہ یا رسول اللہ ﷺ کہنا شروع کیا۔ مقصود یہ کہ عجز و نیاز کے ساتھ پکارا کریں۔ جس سے حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی تعظیم و تکریم ظاہر ہو۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کا نام لے کر پکارنا بھی سخت ناگوار گزرا اور کہا کہ میرے محبوب کا نام لینا بھی بے ادبی میں داخل ہے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کا نام مبارک لے کر پکارنا نہ صرف منع ہے بلکہ حرام ہے۔

واقعی انصاف یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو نام لے کر نہ پکارے تو غلام کی کیا مجال ہے کہ آقا کا نام لے کر پکارے۔

اللہ تعالیٰ کا تمام انبیاء کو نام سے پکارنا مگر اپنے حبیب ﷺ کو نہیں : اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو ذاتی نام کے ساتھ کہیں بھی مخاطب نہیں کیا بلکہ جب کہیں خطاب کیا تو صفاتِ کمالیہ ہی سے یاد کیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی کمال درجہ کی عظمت و بزرگی معلوم کرانا منظور ہے۔ ورنہ حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر اولوالعزم انبیاء کو باوجود ان کی جلالتِ شان کے نام ہی کے ساتھ برابر خطاب کیا گیا۔ چنانچہ (۱) آدم علیہ السلام کو یُوں پکارا۔ یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (سورۃ بقر رکوع ۴ و سورہ اعراف رکوع ۲) یعنی اے آدم رہ تو اور تیری بیوی جنت میں۔

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب   یا ایہا النبی خطابِ محمدی است

ترجمہ : حضرت آدم علیہ السلام کو باوجودیکہ آپ انبیاء علیہم السلام کے جدِ

بزرگوار ہیں یا آدم کہہ کر پکارا اور ہمارے آقا مولا کو یَاَیُّھَا النَّبِیُّ کہہ کر پکارا۔

(۲) نوح علیہ السلام کو اس طرح پکارا۔ یٰنُوْحُ اھْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا (سورۃ ہود رکوع ۴) یعنی اے نوح اُتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو یُوں خطاب ہوا۔ یٰٓاِبْرٰھِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا (سورۃ والصفت ع ۳) یعنی اے ابراہیم! بیشک تو نے سچ کر دکھلایا خواب کو۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح بُلایا۔ یٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ (سورہ طہ ع ۱) یعنی اے موسیٰ! میں ہوں تیرا پروردگار، تو اتار ڈال اپنی جوتیاں۔

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوں پکارا۔ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ (سورہ آل عمران رکوع ۲) یعنی اے عیسیٰ! میں دُنیا میں تیرے رہنے کی مُدّت پوری کروں گا۔ اور تجھ کو اُٹھالوں گا اپنی جانب۔

(۶) حضرت داوٗد علیہ السلام کو اس طرح پکارا۔ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ (سورہ ص ع ۲) یعنے اے داوٗد! ہم نے تجھ کو بنایا نائب ملک میں۔

(۷) حضرت زکریا علیہ السلام کو یوں پکارا۔ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُہٗ یَحْیٰی (سورہ مریم ع ۱) یعنی اے زکریا! ہم تجھے خوشی سُناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہے۔

(۸) حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اس طرح بُلایا۔ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ (سورۃ مریم رکوع ۱) یعنی اے یحییٰ پکڑلے کتاب یعنی توریت کو مضبوطی سے۔

دیکھئے تمام پیغمبروں کو تو نام بنام پکارا گیا مگر اپنے حبیبِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو جہاں کہیں بھی پکارا، تو پیارے خطاب نرالے القاب سے ہی یاد فرمایا جو

صاف و صریح اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اُس کی بارگاہِ عالی میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے زیادہ کوئی محبوب اور پیارا، عزت و توقیر والا نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

(۱) یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ (سورہ احزاب) یعنی اے نبی! ہم نے تجھے رسول کیا۔

(۲) یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (سورہ مائدہ ع ۱۰) یعنی اے رسول! پہنچادے وہ احکام جو تجھ پر اُترے تیرے پروردگار کی طرف سے۔

(۳) یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا اَوْزِدْ عَلَیْہِ (سورہ مزمل) یعنی اے چادر اوڑھنے والے! کھڑا رہو رات کو مگر کسی رات کو نہ ہو، تو معاف ہے۔ آدھی رات تک کھڑا رہا کر یا اس میں سے کچھ کم کرلے یا آدھی سے کچھ بڑھا دیا کر۔

(۴) یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ (سورہ مدثر) یعنی اے لحاف میں لپٹے ہوئے کھڑا ہو، لوگوں کو ڈرا، اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کر۔

(۵) یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (سورہ یٰسین) یعنی اے سردار! قسم ہے قرآن محکم کی، بیشک تو پیغمبروں میں سے ہے۔

(۶) طٰہٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی۔ (سورہ طہ) یعنی اے چودھویں رات کے چاند! ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نہیں اُتارا کہ تو مشقت اُٹھائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی بادشاہ تمام اُمراء کو نام لے کر پکارے اور ان میں سے خاص ایک کو یُوں ندا کرے اے مقربِ بارگاہ! اے نائب سلطنت! اے صاحبِ عزت! اے سردارِ مملکت! تو کیا کسی کو اس امر میں کسی طرح کا شک و شبہ باقی رہے گا کہ وہ بادشاہ کے نزدیک تمام عمائدِ سلطنت اور ارا کینِ مملکت سے زیادہ

محبوب و پیارا اور عزت و وجاہت والا ہے۔ ؎

القاب کیسے کیسے خدا نے کئے عطا   حضرت رسولِ پاک کو قرآں میں جا بجا
یٰسین کہیں پکارا تو طٰہٰ کہیں کہا   حم و نون اور کہیں والشمس والضحیٰ
کیا میرا علم و عقل صفت آپ کی کروں   تم سب پڑھو درود، میں ذکر نبی کروں

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَداً
عَلٰی رَسُوْلِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمِ

اللہ تعالیٰ کا حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے ذاتی نام کے بجائے وصفی نام لینے کا اصلی راز

نعت خوانی کا ثبوت: خطابِ وصفی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ قرآنِ مجید میں گویا ایک قسم کا التزام نعت نبوی کا کیا گیا ہے اس لئے کہ ظاہر ہے کہ مقصود ندا سے یہی ہوتا ہے کہ منادا اپنی ذات سے ندا کرنے والے کی طرف متوجہ ہو۔تو چاہئے کہ ندا ان الفاظ کے ساتھ ہو جو منادی کی ذات پر دلالت کریں۔ اس مقصود کے پورا کرنے میں عَلَم یعنی نام درجہ اوّل میں سمجھا جائے گا کیونکہ اصلی غرض اُس سے یہی ہے کہ ذات پر دلالت کرے۔ پھر کسی خاص صفت کے ساتھ ندا جو جائز ہے اس کی یہی وجہ ہوگی کہ اُس سے ذات پر دلالت ہو جاتی ہے جو اس مقام پر مقصود بالذات ہے ورنہ معنی وصفی جو زائد علی الذات اور مقتضیِ نکارت ہیں اس کو ندا کے ساتھ جو مقتضیِ تعیین ہے کوئی مناسبت نہیں۔ بہرحال منادی کا اسم عَلَم ذکر نہ کرکے اوصاف جو ذکر کئے جاتے ہیں وہاں دو مقصود پیشِ نظر ہوتے ہیں توجہ منادی کی ۔دوسری توصیف اگرچہ باعتبار ندا کے توصیف ایک امر زائد ہے لیکن اس وجہ سے کہ قصداً اوصاف ذکر کئے جاتے ہیں توصیف بھی وہاں ایک امر مستقل اور مقصود بالذات ہو جاتی ہے۔

اب اس تقریر کو ما نحن فیہ پر منطبق کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اوصاف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ندا کے ساتھ ذکر کئے ہیں اگرچہ وہاں ندا مقصود بالذات ہے مگر خاص اوصاف ہی کو ذکر کرنے سے معلوم ہوا کہ نعت بھی ایک مقصود اصلی اور مستقل بذاتہ ہے ورنہ مثل اور انبیاء علیہم السلام کے نام مبارک کے ساتھ

ندا فرماتا۔ پھر جب تمام قرآنِ مجید میں یہ التزام کیا گیا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کس قدر نعت شریف کا اہتمام منظور ہے۔۔

باوصافش رسیدن کے توانند انبیاء اورا   کہ تا نعتش نمی گوید نمے خواند خدا اورا

نعتیہ اشعار کے جواز کا ثبوت : رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے جعدی رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عنہ کو دعا دی۔ جب اُنہوں نے اشعار نعتیہ پڑھے۔ چنانچہ مواہب اللدنیہ اور شرح زرقانی میں مرقوم ہے کہ نابغہ جعدی رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عنہ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے روبرو ایک طولانی قصیدہ پڑھا۔ جس کے شعر قریب دو سو کے تھے۔ جب وہ ان شعروں پر پہنچے۔۔

وَلَا خَيْرَ فِيْ حِلْمٍ اِذَا لَمْ يَكُنْ لَّهٗ   بَوَادِرُ تَحْمِيْ صَفْوَهٗ اَنْ يَّكَدَّرَا
وَلَا خَيْرَ فِيْ عِلْمٍ اِذَا لَمْ يَكُنْ لَّهٗ   حَلِيْمٌ اِذَا مَآ اَوْرَدَ الْاَمْرَ اَصْدَرَا

"یعنی نہیں ہے حلم میں کچھ خیر جب نہ ہو اُس کے ساتھ حدت غضب جو بچائے اُس کے معانی کو مکدر ہونے سے۔ اور نہیں ہے علم میں کچھ خیر جب علم والا ایسا حلیم نہ ہو کہ کوئی امر پیش آئے تو اپنے کو مہلکوں سے روکے"۔

تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے سُن کر فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مُنہ کی مہر کو نہ توڑے یعنی تمہارے دانت نہ گریں اور مُنہ کی رونق نہ بگڑے۔

راوی کہتے ہیں کہ جعدی نے باوجودیکہ سو برس یا دو سو برس سے زیادہ عمر پائی، مگر اُن کے دانت سب اچھے تھے۔ اور جب کوئی دانت اُن کا گرتا تو اُس کی جگہ ایک نیا دانت نکل آتا۔

کرز ابن اسامہ رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کہتے ہیں کہ میں نے نابغہ کے دانت دیکھے، اولوں سے زیادہ سفید تھے۔ یہ اثر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا کا تھا۔

اگرچہ جس مضمون پر حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام نے خوش ہو کر دعا دی وہ ایک عام بات ہے کہ حلم کے ساتھ غضب اور علم کے ساتھ حلم ہونا چاہئے لیکن چونکہ صحابۂ کرام پر یہ بات ظاہر تھی کہ جیسے حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام سے علیٰ وَجْہِ الکمال یہ صفتیں ظہور میں آتی ہیں دوسروں سے ظہور میں آ ہی نہیں سکتی ہیں اس لئے شاعر نے گو صراحتاً مصداق معین نہ کیا لیکن مقصود اس سے توصیف حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام ہی کی تھی جس کو حسب قول مشہور الکنایۃ ابلغ عن الصراحۃ پیرایہ حکمت میں بیان کیا۔ الغرض ان دونوں شعروں میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی نعت ایسے طور پر ہوئی کہ گویا ان صفات میں کوئی حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کا شریک نہیں۔

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے عباس رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عنہ کو دعا دی جب انہوں نے اشعار نعتیہ پڑھنے کی اجازت چاہی، چنانچہ مواہب لدنیہ میں ہے کہ جب عباس بن عبدالمطلب رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو اُنہوں نے عرض کی کہ کیا مُجھے اجازت ہے کہ میں آپ ﷺ کی مدح میں کچھ عرض کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے مُنہ کی مُہر کو نہ توڑے یعنی مُنہ کی رونق نہ بگڑے۔ پس اُنہوں نے ایک قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:۔۔

مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِی الظِّلَالِ وَفِیْ   مُسْتَوْدَعٍ حَيْثُ يُخْصَفُ الْوَرَقُ
ثُمَّ هَبَطْتَ الْبِلَادَ لَابَشَرٌ   اَنْتَ وَلَا مُضْغَةٌ وَّلَا عَلَقٌ

یعنی پہلے اس کے خوش تھے آپ سایوں میں اور اس ودیعت گاہ میں جہاں ملائے جاتے تھے پتے یعنی آدم و حوا علیہما السلام کے جسم پر۔ اس آیت شریف کی طرف اشارہ ہے۔ وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ پھر اُترے آپ شہروں میں کہ نہ بشر تھے آپ اور نہ مُضغہ وعَلَق۔

بَلْ نُطْفَةٌ تَرْكَبُ السَّفِيْنَ وَقَدْ اَلْجَمَ نَسْرًا وَاَهْلَهُ الْغَرَقْ

بلکہ نطفہ تھے کہ سوار تھے کشتی میں اس حالت میں کہ لگام دی تھی غرق نے نسر کو (جو ایک بُت تھا) اور اُس کے پُوجنے والوں کو یعنی جب طوفان کا پانی اُن کے مُنہ میں داخل ہوا تھا۔

وَرَدْتَ نَارَ الْخَلِيْلِ مُكْتَتِمًا فِىْ صُلْبِهٖ اَنْتَ كَيْفَ تَحْتَرِقْ

آپ خلیل اللہ کی پشت میں مخفی ہو کر آگ میں گئے۔ پھر کیونکر وہ جل سکتے تھے؟

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَّ اَشْرَقَتِ الْاَ رْضُ وَضَآءَتْ بِنُوْرِكَ الْاُفُقْ

فَنَحْنُ فِىْ ذٰلِكَ الضِّيَآءِ وَفِى النُّوْ رِوَسُبُلَ الرَّشَادِ نَخْتَرِقْ

وَاَضَآءَ مِنْكَ الْوَجُوْدَ نورسنا وَفَاحَ مِسْكًا وَنَشْرُكَ الْعَبَقْ

یعنی اور جب آپ پیدا ہوئے تو روشن ہو گئی زمین اور روشن ہو گیا آپ کے نُور سے اُفق۔ ہم اسی روشنی اور نُور میں ہیں اور راستے ہدایت کے طے کیا کرتے ہیں اور کل وجود آپ سے روشن ہو گیا۔ اور مہک گیا جیسے مشک مہکتا ہے اور آپ کی خوشبو پائیدار ہے۔

(۳) حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام اخلاقی نظم سے خوش ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:-

عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِحَسَّانٍ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ لَايَزَالُ يُؤَيِّدُكَ مَا نَافَحْتَ عَنِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هَجَاهُمْ حَسَّانُ فَشَفٰى وَاشْتَفٰى۔ (رواہ مسلم)

یعنی صحیح مسلم میں عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہا سے مروی ہے کہ انُھوں

نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلہٖ وَسَلَّمْ کو حسان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سُنا، کہ جبرائیل علیہ السلام تمہاری تائید کیا کرتے ہیں جب تک تم اللہ اور رسول کی طرف سے مقابلہ کرتے ہو اور فرمایا۔ حسان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ نے کفار کی ہجو کی۔ جس سے شفا دی مسلمانوں کو اور خود بھی شفا پائی یعنی سب کی تشفی ہوئی۔

جبرائیل علیہ السلام کا حسّان بن ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ کو مدد دینا اسی وجہ سے تھا کہ حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کو اَشعار پسند تھے۔ اسی لئے حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام حسّان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ کے لئے مسجد شریف میں منبر رکھواتے تاکہ وہ اس پر بیٹھ کر اشعار نعتیہ پڑھیں۔

حضرت کعب اور ابن رواحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہما کو اگر یقین نہ ہوتا کہ اشعار نعتیہ کے پڑھنے کو حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام پسند فرماتے ہیں تو حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کے روبرو اور حرم کعبہ میں اشعار پڑھنے پر کبھی مبادرت نہ کرتے۔

کعب ابن زہیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ نے جو اوّل حضوری میں قصیدہ پڑھا۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کا اشعار نعتیہ کو پسند فرمانا مشہور عام تھا ورنہ ایسی خطرناک حالت میں کہ صحابۂ کرام اُن کے قتل کے درپے تھے، کعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ کبھی جُرأت نہ کرسکتے۔ چنانچہ ایسا ہوا بھی کہ حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام نے پسند فرمایا بلکہ صِلَہ عطا فرمایا۔

ابوایوب سختیانی کے عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کیفیت :

ابو ایوب سختیانی رحمۃ اللہ عَلَیْہِ کے عشقِ رسول حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کی کیفیت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ عَلَیْہِ کی شفا میں یوں مرقوم ہے۔ قَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَدْ سُئِلَ عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ السَّخْتِيَانِيِّ مَاحَدَّثْتُكُمْ عَنْ اَحَدٍ اِلَّا وَاَيُّوْبُ اَفْضَلُ مِنْهُ وَقَالَ

وَحَجَّ حَجَّتَيْنِ فَكُنْتُ اَرْمُقُهٗ وَلَا اَسْمَعُ مِنْهُ غَيْرَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا ذَكَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكٰى حَتّٰى اَرْحَمَهٗ فَلَمَّا رَاَيْتُ مِنْهُ مَا رَاَيْتُ كَتَبْتُ عَنْهُ یعنی کسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ابو ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا حال تھا کہا، میرے اساتذہ میں جن کی روایتیں تم نے مجھ سے سُنی ہیں ان سب سے وہ افضل ہیں۔ انہوں نے دو حج کئے۔ اور میں اُن کا حال دیکھا کرتا تھا۔ اُس مُدّت میں کوئی روایت اُن سے نہ لی۔ مگر حالت ان کی یہ تھی کہ جب رسول اللہ صلّی اللہُ علیہِ وآلہٖ وسلّم کا ذکر کرتے تو اس قدر روتے، کہ مجھے اُن کے حال پر رحم آجاتا۔ جب اُن کا یہ حال دیکھا تو اُن کی شاگردی اختیار کی اور ان کی حدیثیں لکھ لیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ابو ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کو بنظر اس حالت کے جو ترجیح دیتے ہیں اور جب سب اساتذہ سے افضل کہتے ہیں تو اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس بارے میں محدثین اور اکابرِ دین کے خیالات کِس قسم کے تھے۔

اب ذرا سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کے دل کی کیفیت کو خیال کیجئے کہ کس درجہ کی عظمت و محبت اور خدا جانے کون کونسی چیزیں اُن کے دل پر پُورا تسلط کرلیتی تھیں جس سے وہ حالت پیدا ہو جاتی تھی جو اب سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ یہ اثر اسی ذکر مبارک کا تھا جو مسلمانوں کے دلوں میں علیٰ حسبِ مراتب ایمان کو تازہ کر دیا کرتا ہے۔ سبحان اللہ وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہو رہی ہے جو بڑے بڑے فاضل معاصروں سے افضل بنا دیتی ہے۔ اور یہاں ہنوز اُس کے جواز اور عدمِ جواز میں اختلاف پڑا ہوا ہے بلکہ وہ تدبیریں نکالی جاتی ہیں کہ کہیں ذکر شریف کی مجلسیں نہ ہونے پائیں۔ اللہ تعالیٰ ان نام کے مسلمانوں کو رُشد و ہدایت بخشے تاکہ وہ دوزخ کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔

کے بود یا رب کہ رو در یثرب و بطحا کنم　　گہ بمکہ منزل و گہ درمدینہ جا کنم

برکنارِ زمزم از دلِ برکشم یک زمزمہ　　کز دو چشمِ خوں فشاں آں چشمہ را دریا کنم

صد ہزاراں دے دریں سودا مرا امروز شد　　نیست صبرم بعد ازیں کامروز را فردا کنم

یا رسول اللہ بسوئے خود مرا راہے نما　　تا زفرقِ سر قدم سازم ز دیدہ پا کنم

آرزوئے جنت الماوی بروں کردم ز دلِ　　جنتم ایں بس کہ بر خاکِ درت ماوی کنم

خواہم از سودائے پابوست نہم سرورجہاں　　یا بپایت سر نہم یا سر دریں سودا کنم

ہر دم از شوقِ تو معذورم اگر یک لحظہ

جامی آسا نامۂ شوقے دگر انشا کنم

ترجمہ: یا رب وہ وقت کب آئے گا کہ میں مدینہ منورہ اور بطحا کا رُخ کروں گا کبھی میرا مقام مکّہ مکرمہ ہوگا اور کبھی مدینہ منورہ میں جاگزیں ہو جاؤں گا۔

چاہ زمزم کے کنارے کھڑے ہو کر میں ایک سر میں آواز لگاؤں گا اپنی ان خون فشاں آنکھوں سے اُس چشمہ کو دریا بنادوں گا۔

اے میرے محبوب رسول! لاکھوں کل اس خیال میں آج کے اندر تبدیل ہو گئے، اس کے بعد اب مجھے صبر کی طاقت نہیں ہے کہ آج کو کل ہونے دوں۔

یا رسول اللہ! مجھے اپنی طرف آنے والے راستہ کی بینائی فرمایئے تاکہ میں سر کی چوٹی کو قدم اور آنکھوں کو پاؤں بنا کر یہ راستہ طے کروں۔

میں نے جنت الماوی کی آرزو دل سے نکال دی ہے۔ میری جنت یہی ہے کہ میں آپ کے در کی خاک کو اپنی پناہ گاہ بنالوں۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ کے مبارک قدموں کو بوسہ دینے کے خیال سے دنیا میں نکل جاؤں پھریا تو آپ کے قدم مبارک پر سر رکھوں یا سر کو اسی خیال میں قربان کردوں۔

میں ہر وقت آپ کے اشتیاق میں معذور ہوں کاش جامی کی مانند ایک اور

اشتیاق نامہ لکھ سکوں۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گھر میں آواز دینے کی ممانعت : رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کو جبکہ آپ گھر میں تشریف فرما ہوں تو آواز دینا ممنوع قرار پایا چنانچہ اللہ تَعَالٰی سورۂ حجرات رکوع نمبرا میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ○ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ○

اس آیت کا شانِ نزول مفسرین یوں تحریر فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی تمیم کے چند لوگ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کے ملنے کی غرض سے مکان پر دوپہر کے وقت آئے۔ آپ اُس وقت سو رہے تھے۔ ان لوگوں نے اس طرح پکارنا شروع کیا کہ اے محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ) ذرا باہر آؤ۔ تب اُن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے:۔ "یعنی جو لوگ کہ تجھ کو حجروں کے باہر پکارتے ہیں وہ اکثر بیوقوف ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو اُن کی طرف از خود نکلتا، تو اُن کے حق میں بہتر تھا"۔

یہ تعلیمِ ادب اللہ تَعَالٰی کی طرف سے ہے کہ کوئی شخص حاکم وقت اور بادشاہ کو اُن کے مکان سے اپنی غرض کے واسطے نہیں پکار سکتا جب تک وہ خود بخود دربار میں نہ آئے۔ ایسی ہی رسالت کی تعظیم و تکریم کرنی چاہئے۔

دیکھئے اس آیت میں جن لوگوں نے حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کے باہر آنے کا انتظار نہ کرکے پکارنا شروع کیا اُن کی نسبت ارشاد ہوتا ہے۔ اَکْثَرُھُمْ لَایَعْقِلُوْنَ○ یعنی وہ بے عقل ہیں۔ لہٰذا

بے ادبوں کا بیوقوف ہونا : اب یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا اُن کے دماغوں میں کچھ فتور تھا، جس کی وجہ سے ان کو بے عقل یا مجنوں کہا گیا یا کوئی اور سبب تھا۔ حالانکہ وہ دیوانے نہ تھے بلکہ بڑے ہوشیار اور مدبر لوگ تھے۔ جو منتخب ہو کر اس غرض سے آئے تھے کہ شعر و سخن میں حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کے شاعر اور خطیب پر سبقت لے جائیں۔ باوجود اس کے وہ بیوقوف بنائے جا رہے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس کا منشا ہی کچھ اور ہے دراصل بات یہ ہے کہ جب تک کسی کی عقلِ سلیم میں کجی نہیں ہوتی وہ بزرگوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اگر کچھ بھی عقل ہو تو آدمی سمجھ سکتا ہے کہ برگزیدگانِ حق کے ساتھ برابری کیونکر ہو سکے گی کیونکہ یہ صرف اللہ تَعَالٰی کے فضل پر منحصر ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ترجمہ : یہ سعادت زورِ بازو سے حاصل نہیں ہو سکتی، جب تک خدائے مہربان عطا نہ فرمائے میسّر نہیں آتی۔

الحاصل بیوقوفی کا اطلاق اس جماعت پر اسی وجہ سے ہوا کہ بارگاہِ رسالت میں بے ادبی سے پیش آئے—— اگر کہا جائے کہ جائز ہے کہ کفر کی وجہ سے یہ اطلاق ہوا ہو جس سے عقلِ معاد کی نفی ہوگئی تو ہم کہیں گے کہ اس آیتِ شریفہ میں کفر کا کہیں ذکر نہیں بلکہ یہ حکم ان لوگوں پر ہوا جو اس بے ادبی کے ساتھ متصف تھے اور علمِ بلاغت و اصول میں مصرح ہے کہ ایسے موقعوں میں وصف مسندالیہ کو تاثیر اور دخل ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے بھی صارم المسلول میں لکھا ہے پس ثابت ہوا، کہ اس حکم میں کفر کو دخل نہ تھا بلکہ اس کا مدار محض بے ادبی پر تھا۔

تفسیر روح البیان میں مرقوم ہے کہ صحابۂ کرام کا یہ دستور

بُلانے کا طریقِ ادب : تھا کہ اگر حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کو پکارنا منظور ہوتا تو ناخنوں سے دروازہ کو کھٹکھٹاتے۔

ابو عثمان مغربی رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کہتے ہیں کہ بزرگوں کی خدمت میں ادب سے بیٹھنا مدارجِ علیا تک پہنچاتا ہے۔ چنانچہ بعض علماء کا یہ حال تھا کہ اگر وہ کسی بزرگ کی خدمت میں جاتے تو بیٹھے رہتے جب تک کہ وہ خود بخود نہ نکلتے۔

ابو عبید قاسم بن سلام رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کہتے ہیں کہ میں نے کسی عالم کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا، بلکہ جب کبھی گیا تو انتظار میں بیٹھا رہتا جب تک کہ وہ خود بخود نہ نکلتے کیونکہ اللہ تَعَالٰی فرماتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ (سورہ حجرات ع نمبر۱) یعنی اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو نکلتا تو یہ اُن کے حق میں بہتر تھا۔

سبحان اللہ ! علمائے حقانی کی رائے کیا ہی صائب ہوتی ہے کہ بزرگوں کے ادب کرنے کو بھی اس آیت سے استنباط کیا۔

بہرحال معلوم ہوا کہ اس آیتِ شریفہ سے عموماً بزرگانِ دین کی تعظیم اور اُن کا ادب مستفاد ہو سکتا ہے مگر یہ بات شاید ہر ایک کی سمجھ میں نہ آئے گی کیونکہ اس فہم کے لئے وہی لوگ خاص ہیں جن کی طبیعتیں ادب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں۔

گر ادب در جملہ شے داری نگاہ بیگماں گردی زخاصانِ اللہ

ترجمہ : اگر تمام معاملات میں ادب کو ملحوظ خاطر رکھے تو بلاشبہ تو اللہ تَعَالٰی کے خاص بندوں میں شامل ہو جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب سوم :

بے ادبی کے نتائج

حضرت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کسی طرح کی ایذا دینے والوں پر وعید شدید : رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو کسی طرح سے بھی ایذا دینا عذابِ شدید کا باعث ہے، چنانچہ اللہ تَعَالٰی سورہ توبہ رکوع نمبر۸ میں ارشاد فرماتا ہے:- وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ یعنی اور جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کے رسول کو اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

دیکھئے خود رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے ازواجِ مطہرات سے فرمایا، جبکہ آپ اُن کی خوبی کا ذکر کرتے تھے اور وہ کچھ کلمات خلافِ شان کہتی تھیں۔ لَا تُؤْذُوْنِیْ فِیْ عَائِشَۃَ یعنی تم نہ ایذا دو مجھ کو عائشہ صدیقہ کے بارے میں۔ تو اَزواجِ مطہرہ نے آپ کو اذیت دینے سے اللہ تَعَالٰی کی پناہ مانگی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ کی اذیت اللہ تَعَالٰی کے حکم کی کچھ مخالفت پر منحصر نہیں ہے بلکہ کسی طرح پر بھی اذیت ہو آیت کا مفہوم اس پر حاوی ہے۔

طلحہ صحابی کو ذرا سی بے ادبی کے باعث وعیدِ شدید کا حکم : اللہ تَعَالٰی کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّمَ کی ذرا بھی تکلیف گوارا نہیں، چنانچہ تفسیر درِمنثور میں ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّمَ نے طلحہ بن عبیداللہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ کو اُن کی چچازاد بہن عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہا سے بات چیت کرتے دیکھا، تو آپ نے اُن کو منع فرمایا، کہ آئندہ میں ایسا نہ دیکھوں۔ گو بات کوئی ناجائز نہ سہی، تاہم میری غیور طبیعت کو ناگوار ہے۔ طلحہ کو یہ بات شاق گزری اور باغوائے شیطان اُن کے مُنہ سے یہ کلمات نکلے کہ لوگو، دیکھو، محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّمَ) ہماری چچازاد بہنوں کو ہم سے پردہ کراتے ہیں۔ میں علی رؤس الاستشہاد کہتا ہوں کہ میں آپ کے وصال کے بعد اس سے ضرور نکاح کروں گا تو اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ یعنی اور تم کو سزاوار نہیں، کہ ایذا دو اللہ کے رسول کو۔ اور نہ یہ کہ نکاح کرو اُس کی بیویوں سے اس کے بعد میں کبھی۔ بیشک یہ اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ (سورہ احزاب رکوع ٦)

اس آیت کے نزول پر طلحہ کو تنبیہہ ہوگئی۔ اور اپنی غلطی سے پشیمان ہو کر بطور کفارہ ایک بردہ آزاد کیا اور دس اونٹ جہاد میں دیئے اور پیدل حج کیا۔

(لباب النقول)

اس میں شک نہیں، کہ کسی کے انتقال کے بعد اُس کی عورت کے ساتھ نکاح کرنا عموماً جائز ہے اور جنہوں نے سادگی سے یہ بات کہی تھی وہ صحابی تھے لہٰذا اُن کی نسبت یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ کسی قسم کے خیالِ فاسد کی بنا پر یہ لفظ کہے ہوں مگر باوجود اس کے جو یہ عتاب، ہو رہا ہے، تو اس سے ظاہر ہے کہ خیال بھی بے ادبی

سے خالی نہ تھا کیونکہ اُنہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی حُرمت و غیرت کا کچھ خیال نہ کیا۔ اور یہ نہ سمجھا کہ جو بات حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کی زندگی میں ضروری ہے وہی بات حضرت کے وصال کے بعد بھی ابدالآباد تک ہے۔

اب اس عتاب کو دیکھئے، کہ اس میں کس قدر تشدد کیا گیا ہے کہ اس قسم کی بات کو صرف دل میں لانا بھی ایک امر خطرناک قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ اس موقع میں جو اِرشاد ہے کہ "جو کچھ تم ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تَعَالٰی سب جانتا ہے"۔ ظاہر ہے کہ اس سے مقصود تخویف ہے ورنہ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا کہنے کی ظاہراً کوئی ضرورت نہ تھی۔ (بیہقی)

الحاصل حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کے وِصال کے بعد اَزواجِ مطہرات کا تمام اُمت پر حرام ہونا اس پر دلیل واضح ہے کہ حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کی حرمت و تعظیم وصالِ شریف کے بعد بھی بحالِ خود ہے۔ اگر کہا جائے کہ ازواجِ مطہرات کا نکاح وصالِ شریف کے بعد اس لئے درست نہ تھا کہ حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام زندہ موجود ہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ امر واقعی ہے۔ ہمیں بھی اس میں کچھ کلام نہیں لیکن یہ بات بھی محتاجِ دلیل نہیں کہ گو انبیاء علیہم السلام عموماً اور حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام خصوصاً زندہ ہیں، مگر عالمِ برزخ میں زندہ ہیں۔ اور عالمِ شہادت کے احکام عالم برزخ میں جاری نہیں ہوسکتے۔ ورنہ عامہ مومنین جن کے مرنے کے بعد ان کی بیویوں سے دوسرے لوگ نکاح کرسکتے ہیں، جب ان میں سے کوئی شخص فی سبیل اللہ شہید ہو جاتا، تو اُن کی بیوی سے بھی کوئی شخص نکاح نہ کرسکتا، کیونکہ شہیدوں کی حیات بھی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، جیسا کہ اللہ تَعَالٰی سورہ آل عمران رکوع ١٧ میں ارشاد فرماتا ہے:- وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ یعنی اور (اے میرے حبیب) نہ خیال کرنا اُن کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مرا ہوا، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے

پاس اُن کو روزی ملتی ہے۔

جو لوگ جنگ اُحد میں شہید ہوئے تھے، ان کو اللہ تعَالیٰ نے سبز پرندوں کی ہیئت میں بنا کر جنت کی نہروں پر اُڑنے اور چلنے پھرنے کا اختیار دیا۔ اور بڑے بڑے انعام فرمائے، تو اُنھوں نے اپنے اوپر یہ مہربانی کی نظر دیکھ کر اللہ تعَالیٰ سے عرض کی کہ یا الہ العالمین: کاش! ان نعمتوں کی خبر ہمارے زندہ باقی ماندہ بھائیوں کو ہو جاتی، تو وہ جہاد میں مارے جانے سے خائف نہ ہوتے، بلکہ شوق سے لڑ کر شہادت حاصل کرتے، تو اللہ تعَالیٰ نے اُن کی درخواست کے مطابق یہ آیت نازل کی۔ مگر شہیدوں کی زندگی کے باوجود ان کی بیویاں نکاح ثانی کر سکتی ہیں، کیونکہ شہداء اگرچہ زندہ ہوتے ہیں، مگر عالم برزخ میں ہیں، جس کے احکام جداگانہ ہیں۔

الحاصل نکاح مذکور کی ممانعت پر بناء حیات نبی نہیں، بلکہ محض اس وجہ سے تھی کہ حضور عَلَیْہِ الصلوٰۃ وَالسلام کی عزت و حرمت وصال کے بعد بھی دلوں میں متمکن رہے۔ اور کوئی مسلمان اس قسم کا خیال بھی نہ کرے، جس میں کسی قسم کی بے ادبی لازم آجائے۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

ترجمہ: ہم اللہ تعَالیٰ سے ادب کی توفیق کے خواستگار ہیں کیونکہ بے ادب اللہ تعَالیٰ کے فضل سے محروم رہ جاتا ہے۔

حضور عَلَیْہِ الصلوٰۃ وَالسلام کے ادنیٰ ملال کا باعثِ عذاب ہونا: بعض لوگ حضور عَلَیْہِ الصلوٰۃ وَالسلام کے عطاء و کرم کو ظاہر نہ کرتے تھے، اس سے آپ کو ملال ہوتا تھا، جس کا اثر یہ ہوتا کہ وہ عطیہ اُن کے حق میں آتش دوزخ بنا دیا جاتا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلَ رَجُلَانِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَا فِىْ شَيْءٍ فَدَعَا لَهُمَا بِدِيْنَارَيْنِ فَاِذَا هُمَا يُثْنِيَانِ خَيْرًا فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنْ فُلَانٌ مَا يَقُوْلُ ذٰلِكَ وَلَقَدْ اَعْطَيْتُهُ مَا بَيْنَ عَشَرَةٍ اِلٰى مِائَةٍ فَمَا يَقُوْلُ ذٰلِكَ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَخْرُجُ بِصَدَقَتِهٖ مِنْ عِنْدِىْ مُتَاَبِّطًا وَاِنَّمَا هِىَ لَهٗ نَارٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تُعْطِيْهِ وَقَدْ عَلِمْتَ اَنَّهٗ لَهٗ نَارٌ قَالَ فَمَا اَصْنَعُ يَاْبَوْنَ اِلَّا اَنْ يَّسْاَلُوْنِىْ وَيَاْبَى اللّٰهُ لِىَ الْبُخْلَ (رواہ الحاکم فی المستدرک)

یعنی حاکم نے مستدرک میں حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ دو شخصوں نے حضور عَلَیْہِ الصلوٰۃ وَالسلام کے پاس حاضر ہو کر کچھ مانگا۔ آپ نے ان کو دو دینار منگوا دیئے، جس پر انہوں نے آپ کی صفت و ثناء کی۔ حضور عَلَیْہِ الصلوٰۃ وَالسلام نے فرمایا یہ تو دو ہی دینار پر ثناء کرتے ہیں۔ میں نے فلاں شخص کو دس سے سو تک دیئے، مگر اُس نے اس قسم کی ایک بات نہ کہی۔ کوئی آدمی ایسا ہوتا ہے کہ مجھ سے صدقہ لے کر بغل میں دبائے ہوئے باہر جاتا ہے۔ وہ اُس کے حق میں آگ ہے۔ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! پھر آپ ایسے لوگوں کو کیوں دیتے ہیں۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں، کہ وہ اُن کے حق میں آگ ہے۔ فرمایا، کیا کروں، لوگ مجھ سے مانگنا نہیں چھوڑتے۔ اور اللہ تعَالیٰ نہیں چاہتا کہ مجھ میں بخل پایا جائے۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب ادنیٰ گرانیٔ خاطر اور ملال میں نوبت بانیجا رسید، تو ایذا رسانی کا کیا حال ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سورۃ احزاب رکوع نمبر۸ میں ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا۝ یعنی جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کو، لعنت کی اللہ تعالیٰ نے اُن پر دنیا اور آخرت میں، اور تیار کر رکھا ہے اُن کے واسطے ذِلّت کا عذاب۔

اگرچہ بظاہر اللہ تعالیٰ نے اپنے اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی ایذا رسانی کی یہ سزا مقرر فرمائی ہے مگر درحقیقت کس کی مجال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی ایذا پہنچا سکے، چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ رکوع ۱۴ میں ارشاد فرماتا ہے لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوۡنَ۝ یعنی اُسی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، سب اُسی کے تابعدار ہیں۔

پس اس صورت میں یہ سزا دراصل صرف حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کو ایذا دینے کی ثابت ہوئی۔

تفسیر بیضاوی میں ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنا نام مبارک اس آیت شریف میں ذکر فرمایا ہے، اس سے مقصود محض حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کی تعظیم ہے۔ یا یُوں کہیئے، کہ حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کو ایذا دینا اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے، چنانچہ کنزالعمال میں ہے۔ عَنۡ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ مَنۡ اٰذٰی شَعۡرَۃً مِّنِّیۡ فَقَدۡ اٰذَانِیۡ وَمَنۡ اٰذَانِیۡ فَقَدۡ اٰذَی اللّٰہَ (رواہ ابن عساکر) یعنی علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے، جس نے میرے ایک بال کو ایذا پہنچائی، اُس نے مجھ کو ایذا دی۔ اور جس نے مجھ کو ایذا دی، یقیناً اُس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔

حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حکم عدولی سے عذاب کا نازل ہونا :

جو کوئی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے حکم کو نہیں مانتا، وہ عذابِ شدید میں گرفتار ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ نور کے رکوع ۹ میں ارشاد فرماتا ہے:- فَلۡیَحۡذَرِ الَّذِیۡنَ یُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِہٖۤ اَنۡ تُصِیۡبَہُمۡ فِتۡنَۃٌ اَوۡ یُصِیۡبَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ۝ یعنی تو ڈرنا چاہیے، اُن لوگوں کو جو خلاف کرتے ہیں رسول کے حکم کا اس بات سے کہ اُن پر پڑے کوئی بلا، یا اُن کو دردناک عذاب پہنچے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کوئی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے حکم کو نہیں مانتا، اُس پر یا تو کوئی بلا نازل ہوگی یا کوئی دردناک عذاب پہنچے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ مزمل رکوع ۱ میں ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا فَعَصٰی فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ فَاَخَذۡنٰہُ اَخۡذًا وَّبِیۡلًا۝ یعنی ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف پیغمبر تم پر گواہی دینے والا جس طرح بھیجا فرعون کی طرف پیغمبر، تو فرعون نے پیغمبر کا کہا نہ مانا۔ پس ہم نے اس کو دھر پکڑا وبال کی پکڑ۔

مطلب یہ کہ اگر تم بھی رسول کی نافرمانی کرو گے، تو عذاب میں گرفتار ہو گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی کے خلاف دعا کا اثر :

جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی بددعاء کا اثر ہوا تھا، اسی طرح رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی بددعاء کا اثر ہوتا تھا، چنانچہ سورہ یونس میں موسیٰ علیہ السلام کی بددعاء کے الفاظ یہ تھے:- رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤی اَمۡوَالِہِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡا حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ قَالَ قَدۡ اُجِیۡبَتۡ دَّعۡوَتُکُمَا (سورہ یونس) یعنی بار الہا! ملیا میٹ کردے اُن کے مال اور

سخت کر دے ان کے دل، کہ ایمان ہی نہ لائیں یہاں تک کہ دیکھ لیں دردناک
عذاب، اللہ نے فرمایا، کہ تم دونو بھائیوں کی دعاء قبول ہو چکی۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمۡ کی دشمن کے خلاف دعاء کے کرشموں
میں سے صرف دو بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔ (۱) عُتیبہ ابن ابی لہب نے آپ کے
حق میں گستاخانہ کلمات کہے، تو آپ نے اس کے خلاف دعائے جلال فرمائی کہ
اَللّٰھُمَّ سَلِّطۡ عَلَیۡهِ کَلۡبًا مِّنۡ کِلَابِکَ الٰہی اپنے درندوں میں سے ایک
درندہ اس پر مسلط کر دے، چنانچہ رات کو ایک شیر آیا اور لوگوں کے جمِ غفیر میں
سے اکیلے عُتیبہ کو اُٹھا کر لے گیا۔

(۲) ۹ سن ہجری میں نجد کا ظالم و بدکردار حاکم عامر ابن طفیل حضور کے
قتل کے ارادہ سے اپنے ایک مسلح ساتھی سمیت مدینے آیا حضور میں پہنچ کر گستاخانہ
باتیں کرتا رہا۔ اور آپ وقار اور متانت سے جواب دیتے رہے مگر حافظِ حقیقی کی
حفظ و حمایت سے اُس کو اپنے مقصد بد میں کامیابی نہ ہو سکی۔ آخر ناکام و نامراد باہر نکلا
تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمۡ نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اکۡفِنِیۡ عَامِرًا الٰہی مجھ کو عامر
کے شر سے بچا۔ اتنے میں آسمان سے بجلی گری۔ عامر کا شمشیر بکف ساتھی وہیں ڈھیر
ہو گیا۔ اور خود عامر چند روز بعد بمرض طاعون جہنم واصل ہوا۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام بے ادبی سے لینے سے مُنہ کا ٹیڑھا ہو جانا :

ایک بے ادب اور
گستاخ شخص کا ذکر کرتے ہیں کہ اُس نے تمسخر اور ہنسی کے طور پر مُنہ چڑا کر حضور
عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کا نام نامی لیا۔ اللہ تَعَالٰی کو اپنے حبیبِ پاک کی شان میں اس
شخص کی یہ بے ادبی اور گستاخی ناپسند آئی۔ اُسی وقت اللہ تبارک و تعالٰی نے اس
مردود کا مُنہ ٹیڑھا کر دیا۔ چنانچہ مولانا روم اس قصہ کو مثنوی معنوی میں یوں اِرقام
فرماتے ہیں۔ ۔

آں وہاں کژ کرد واز تسخر بخواند مر محمد را دہانش کژ بماند

یعنی ایک شخص نے تمسخر سے مُنہ ٹیڑھا کر کے حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کا
نام مبارک لیا تو اُس کا مُنہ ٹیڑھے کا ٹیڑھا رہ گیا۔

باز آمد کاے محمد عفو کُن اے ترا الطافِ حلمِ من لدن

یعنی جب یہ کیفیت ہوئی تو حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کے پاس دوڑا ہوا آیا
اور کہا کہ یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمۡ اللہ تَعَالٰی نے آپ کو اَلۡطافِ حِلۡمِ
مِنۡ لَّدُنۡ کا دیا ہے۔ وَھَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً (یعنی بخش تو اپنے پاس سے
رحمت) پھر لطف و رحمت کرو، یعنی میرا قصور للہ معاف کرو۔

من ترا افسوس مے کردم ز جہل من بُدم افسوس را منسوب و اہل

یعنی میں جہالت سے آپ سے استہزا کرتا تھا۔ درحقیقت میں خود تمسخر کے
لائق اور اس سے نسبت رکھتا تھا۔

مرحمت فرمود سیّد عفو کرد چوں ز جرأت توبہ کرد آں روئے زرد

غرض جب اس زرد رو (شرمندہ) نے اپنی جُرأت و گستاخی سے توبہ کی، تو
آپ نے اُس پر رحم فرمایا۔ اور اُس کا قصور معاف کر دیا۔

جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمۡ رحمت و رأفت کا بھی کامل ترین
نمونہ تھے۔ کیوں نہ ہو، اللہ تَعَالٰی نے آپ کو تمام فضائل و کمالات کا بالاترین نمونہ بنا
کر بھیجا تھا۔ ایک دشمن کا مُنہ چڑا کر آپ کا نام لینا اور آپ کا اس کو بخش دینا تو
معمولی بات ہے آپ نے جانی دشمنوں کے قاتلانہ وار کر چکنے کے بعد اُن کی بھی
جاں بخشی فرمائی ہے۔ ایک یہودن نے آپ کو گوشت میں زہر کھلانے کی سازش کی۔
راز افشا ہونے پر صحابہ نے اس کو قتل کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا جانے دو۔

ایک دشمن تلوار کھینچ کر آپ کے سر پر آ پہنچا جبکہ آپ مصروفِ خواب
تھے۔ قدرتِ خدا! دشمن کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ ادھر آپ بھی جاگ اُٹھے، تو

اُس کی تلوار آپ نے اُٹھالی- اب وہ شخص مسکین بن کر گڑ گڑانے لگا تو آپ نے اُس کو چھوڑ دیا-

ہبار ابن اسود نے پتھر پھینک پھینک کر آپ کی دختر حضرت زینب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہا کو بحالتِ سفر مجروح کر دیا تھا جس سے وہ اونٹ سے گر پڑیں- اور حمل ساقط ہو گیا- فتح مکہ کے روز وہ سر جھکا کے حاضر ہوا تو آپ نے اُس کی جاں بخشی فرمائی-

وحشی نے آپ کے پیارے چچا حضرت حمزہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ کو دھوکے سے قتل کیا تھا جب اُس نے اپنی پشیمانی ظاہر کی تو معاف کر دیا-

ہندہ زوجہ ابی سفیان نے حضرت حمزہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ کا کلیجہ نکال کر دانتوں میں چبایا تھا- جب وہ بھی سرِ خجلت خم کئے ہوئے حاضر ہوئی تو آپ نے درگزر فرمایا-

آنکہ براعدا درِ رحمت کشاد مکہ را پیغامِ لا تثریب داد

ترجمہ: نبیٔ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّم تو وہ ہیں جنہوں نے دشمنوں پر بھی رحمت کے دروازے کھول دیئے- فتح مکہ کے روز اہل مکہ کو لاتثریب علیکم الیوم (آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے) کا پیغام دیا-

کسریٰ شاہِ فارس کا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نامۂ مبارک کی بے حرمتی کرنے کے سبب مقتول ہونا:

جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّم نے مدینہ طیبہ سے بادشاہوں کے نام فرامین لکھے، تو ایک فرمان کسریٰ شاہِ فارس کو بھی لکھا، جس میں حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام نے اُس کو دعوتِ اسلام دی تھی- اُس بدبخت نے حضرت محمد صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّم کے نامہ مبارک کو پڑھ

کر غصے سے پُرزے پُرزے کر دیا- یہ نامہ مبارک کیا چاک کیا، گویا اُس نے اپنی جان و تن کو چاک کیا، چنانچہ اِرشاد ہوتا ہے- وَمَا ظَلَمُوۡنَا وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ (سورہ بقر رکوع ۶) یعنیٰ "اور ہم پر کوئی ظلم نہیں کر سکتا بلکہ ہمارے نافرمان لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں"- غرض اُس کمبخت نے حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کے نامۂ مبارک کو نہیں پھاڑا، بلکہ اپنی سلطنت کو حرفِ غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیا چنانچہ حدیث شریف میں ہے-

عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا اِنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهٖ رَجُلًا وَّاَمَرَهٗ اَنۡ يَّدۡفَعَهٗ اِلٰى عَظِيۡمِ الۡبَحۡرَيۡنِ فَدَفَعَهٗ عَظِيۡمُ الۡبَحۡرَيۡنِ اِلٰى كِسۡرٰى فَلَمَّا قَرَاَهٗ مَزَّقَهٗ قَالَ فَدَعَا عَلَيۡهِمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اَنۡ يُّمَزَّقُوۡا كُلَّ مُمَزَّقٍ (رواہ البخاری)

یعنی تجرید بخاری کے باب علم میں ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّم نے ایک مرد کے ہاتھ اپنا خط عظیمِ بحرین کے دینے کو بھیجا- عظیمِ بحرین نے وہ خط کسریٰ کو دے دیا- جب کسریٰ نے اس کو پڑھا تو پارہ پارہ کر دیا- پس رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّم نے اُن سب کے خلاف دعائے جلال فرمائی کہ وہ بالکل ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں- آپ کی یہ دعا قبول ہوئی- اور کسریٰ کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کے درپے قتل ہو گیا-

ہر چہ آید بر تو از ظلماتِ غم آں زبیباکی و گستاخیست ہم
ہم زگستاخی کسوفِ آفتاب شد عزا زیلے زجرأت ردِّ باب

ترجمہ:

تجھ پر جو غم کی تاریکیاں آتی ہیں وہ بھی تیری بیباکی اور گستاخی کا نتیجہ ہوتی

ہیں- گستاخی سے سورج کو گرہن لگ گیا اور شیطان نے بے ادبی کی تو اللہ تعالیٰ کے دروازے سے مردود ہو گیا- (یزیدیوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا- تو تین دن کسوفِ شمس رہا ملاحظہ ہو کتاب ہذا صفحہ 101 - 102)

اپنے کیفرکردار سے غافل شاہِ فارس کے غرور نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے نامۂ مبارک کو پھاڑ کر صبر نہ کیا، بلکہ اپنے صوبہ دار شاہِ یمن کو حکم دیا کہ بہت جلد دو سپاہی بھیج کر اُس نبوت کے مدعی کا سر اُتار کر میرے پاس بھیج دے یا زندہ گرفتار کرکے یہاں روانہ کر دے- شاہِ یمن نے بموجب حکم شاہِ فارس کے دو قوی مسلح جواں مدینہ کی طرف حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے گرفتار کرنے یا شہید کرنے کے لئے بھیجے- یہ دونوں سپاہی جب مکہ معظمہ کے راستے مدینہ طیبہ حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کی تلاش میں پہنچے تو حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو اطلاع ہوئی کہ دو سپاہی فارس سے آپ کو شہید کرنے کے لئے آئے ہیں- آپ نے فرمایا، کہ میرے مہمانوں کو اچھے مکان میں اُتارو- اور اعلیٰ درجہ کی مہمان نوازی کرو، تاکہ اُن کی تکان دُور ہو جائے- سات دن تک اُن قاتلوں کی مہمان نوازی فرمائی- آٹھویں دن حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام نے حکم دیا، کہ آج میرے مہمانوں کو لا کر ہم سے ملاقات کراؤ- چنانچہ یہ دونوں شخص حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کے رعب سے اُن کے ہاتھوں میں رعشہ، پاؤں میں جنبش، زبان میں لکنت تھی- حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام نے اُنہیں بیٹھنے کے لئے فرمایا مگر یہ لوگ بجائے بیٹھنے کے اوندھے مُنہ گر پڑے- اس پر آپ نے اُن کو اُٹھا کر پُوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو اور کیا مطلب ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ ہمیں شاہِ فارس نے آپ کے شہید کرنے کو بھیجا ہے- آپ نے فرمایا کہ تمہارا بادشاہ آج رات کو قتل ہو گیا ہے- اُس کے بیٹے نے اُس کو قتل کر

ڈالا- جاؤ شاہِ یمن کو شاہِ فارس کے قتل کی خبر کر دو-

شاہِ فارس کے قتل کی خبر سُن کر یہ دونوں سپاہی آپ سے رخصت ہوئے اور یمن کی راہ لی- جب شاہِ یمن کے پاس پہنچے تو وہاں شاہِ فارس کے مرنے کی خبر پہلے پہنچ چکی تھی اور اُس کی سلطنت روئے زمین سے جاتی رہی-

جائے غور ہے کہ جس اُمت کے رسول اپنے قاتلوں کو سات روز مہمان رکھیں اور اعلیٰ درجہ کی مدارات کریں، افسوس! اُن کی اُمت کے اخلاق ایسے خراب ہوں کہ محسنِ حقیقی رب العالمین کے لئے زبانی شکر بھی نہ کرے-

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

ترجمہ : غور کرو راستے کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے-

کُفارِ مکہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی کے باعث عذابِ شدید میں مبتلا ہونا :

جب کفارِ مکہ نے حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کے صاحبزادوں کے انتقال کے بعد آپ کی ذاتِ بابرکات کو اَبتر (بے نسل) کہا تو اُس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ کوثر میں یُوں ارشاد فرمایا- اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالۡاَبۡتَرُ- یعنی جو تیرا دشمن ہے وہی بے نسل رہا-

اس سورہ کا شانِ نزول اس طرح پر ہے کہ حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کے دو صاحبزادے طیب و طاہر اُم المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ کے بطن پاک سے تولد ہوئے- خدا کی قدرت ان دونوں صاحبزادوں کا انتقال یکے بعد دیگرے ہو گیا- اس پر کفار مکہ طعن سے کہنے لگے کہ اچھا ہوا آگے کو محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) کی نسل منقطع ہو گئی- اب ان کا کوئی نام لیوا نہیں رہا جو آئندہ ان کے مذہب کی اشاعت کرے اس لئے تمام رگڑے جھگڑے ختم ہو جائیں گے-

ایک موقع پر عاص بن وائل مسجد الحرام میں داخل ہو رہا تھا- اُدھر رسول

اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ باہر تشریف لے جا رہے تھے تو باہم کچھ بات چیت ہوئی- مسجد الحرام کے اندر کچھ لوگ بیٹھے تھے- اُنہوں نے عاص سے پوچھا کہ کس سے گفتگو کر رہے تھے- اس نے کہا- اس ابتر (نبوت) سے بات کر رہا تھا- یہ بد باطن آپ کو ہمیشہ ابتر کے لفظ سے یاد کیا کرتا تھا- اسی کے متعلق یہ سورۃ نازل ہوئی ہے- بعض کے نزدیک یہ سورۃ کعب ابن اشرف یہودی کے متعلق نازل ہوئی ہے- بہرحال دشمنوں کے اس کلام سے آپ کو سخت ملال اور رنج ہوا- اس پر اللہ تعَالیٰ نے آپ کی تسلی و تشفی کے لئے یہ سورہ نازل فرمائی کہ اگر آپ کے ہاں کوئی بیٹا نہیں تو نہ سہی کیونکہ قیامت تک جتنے مسلمان ہوں گے وہ سب آپ کے ہی تو بیٹے ہیں- آپ ان سب کے روحانی باپ ہیں- لیکن جو آپ کا دشمن تھا وہی بے اولاد رہا- چنانچہ عاص ابن وائل یا کعب ابن اشرف کا آج دنیا میں کوئی نام لیوا نہیں- اوّل تو ان لوگوں کے نسل ہی نہیں- اگر بالفرض ہو بھی تو یقیناً خود اُن کو معلوم نہیں کہ ہمارا مورثِ اعلیٰ عاص یا کعب تھا- اور ابتر کا مفہوم اسی سے ثابت ہو جاتا ہے بخلاف اس کے جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی شان و شوکت کا ڈنکا مصداقِ وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ہر شہر اور ہر بستی میں پانچ وقت باآوازِ بلند بجتا ہے-

ابولہب اور اسکی بیوی کا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بے ادبی کے باعث عذابِ شدید میں مبتلا ہونا:

حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کی اہانت خواہ صریح ہو یا ضمناً، اشارۃً ہو یا التزاماً، غرض کسی طرح ہو، اس سے کفر لازم آتا ہے چنانچہ بعض آیات میں حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کی بے ادبی کرنے والوں پر سخت تہدید اور زجر و توبیخ پائی جاتی ہے- چنانچہ تفسیر عزیزی میں مرقوم ہے کہ آدمی شرافت اور

مال و جاہ پر مغرور نہ ہو- اور مقربانِ الٰہی سے راہ و رسم درست رکھے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے بموجب حکم اس آیت کے وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ (سورہ الشعراء) جس کا مطلب یہ ہے- "اور ڈرا اپنے قریب کے رشتہ داروں کو"- کوہِ صفا پر چڑھ کر تمام قریش کو ہر قبیلہ کا نام لے کر اپنے چچا اور پھوپھی کو نام بنام پکار پکار کر عذابِ الٰہی کا ڈر سُنا دیا کہ اے بنی ہاشم! اے بنی عبدالمطلب! اے بنی عبدالمناف! اے عباس! اپنا اپنا فکر کرو تو ابولہب اپنے محاورے میں کہنے لگا- تَبًّا لَّکَ اَلِھٰذَا دَعَوۡتَنَا یعنی تیری تباہی ہو کیا تو نے یہی باتیں سُنانے کے لئے ہمیں تکلیف دی- اس کے جواب میں سورۂ لہب نازل ہوئی- وہ یہ ہے-

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّتَبَّ- مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ- سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ وَّامۡرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ- فِیۡ جِیۡدِھَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ- یعنی دونوں ہاتھ ٹوٹیں ابو لہب کے اور ہلاک ہو- نہ تو اُس کے کام اُس کا مال آیا اور نہ اُس کی کمائی- وہ عنقریب داخل ہوگا شعلہ والی آگ میں اور نیز اُس کی جورو، جو لکڑیاں سر پر اُٹھاتی ہے- اُس کی گردن میں مونج کی رسی ہے- یعنی قیامت کے دن اُس کے گلے میں رسّی کا پھندا ڈال کر اُس کو گھسیٹا جائے گا- اور اُس کی بے حُرمتی کی جائے گی- یہ کمبخت دنیا میں اسی عذاب میں مری مارے خست کے لکڑیوں کا پشتارہ سر پر اُٹھائے چلی آ رہی تھی کہ پشتارہ گر گیا- اور اُس کی رسی گلے میں آ گئی اور گلا گھٹ کر مر گئی-

یہ کمبخت رات کو حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کے راستے میں کانٹے بچھایا کرتی تھی کہ آپ جب علی الصباح اس راستے سے گزریں گے تو بے خبری کے باعث کانٹے چبھیں گے-

ے ریختند در رہ تو خار و باہمہ چوں گل شگفتہ بود رُخِ جانفزائے تو

ترجمہ : یا رسول اللہ! دُشمن آپ کی راہ میں کانٹے ڈالا کرتے تھے لیکن ان

تمام تکالیف کے باوجود آپ کا رُخِ جانفزا پھول کی مانند کھلا ہوا تھا۔

ابو جہل کا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بے ادبی کے باعث ذلیل ہو کر مرنا : جب ابو جہل نے حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کے ساتھ حد سے زیادہ بے ادبی اور گستاخی کرنی شروع کی یہاں تک کہ اُس نے یہ مصمم ارادہ کیا کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ جس وقت سجدہ میں ہوں گے تو میں اُن کا سر جسم سے الگ کر دوں گا تو غیرتِ الٰہی نے اُس کو زیادہ مُہلت نہ دی۔ اور ارشاد فرمایا۔ لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ۔ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَۃِ۔ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ۔ (سورہ علق) یعنی اگر باز نہ آئے گا تو ہم ضرور گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر، کیسی چوٹی، جھوٹی خطاکار۔

چنانچہ یہ شقی جنگ بدر میں مُعاذ اور مُعوذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہما دو انصاریوں کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوا۔ اور اُس کا سر کاٹ کر سر کے بالوں کو پکڑ کر کھینچتے ہوئے لائے اور اس کا کان چھید کر اُس میں ایک رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے ایک ناپاک اور نجس کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔

از مکافاتِ عمل غافل مشو گندم از گندم بروید جو ز جو

ترجمہ : اعمال کی جزاء سے غافل نہ رہو۔ گندم سے گندم پیدا ہوتی ہے اور جو کاشت کرنے سے جو پیدا ہوتے ہیں۔

ایک شخص کا حضرت امام ابو حنیفہ کی بے ادبی کے باعث غیبی تلوار سے مارا جانا :

منقول ہے کہ ایک شخص امام اعظم رَحمۃ اللّٰہ عَلَیْہِ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا بیشک والد صاحب عرصہ ہوا، رحلت فرما گئے ہیں۔ پھر اُس شخص نے کہا کیا

آپ کی والدہ ماجدہ زندہ ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں زندہ ہیں۔ پھر اُس نے کہا۔ میں نے سُنا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ بڑی خوبصورت اور حسینہ ہیں اس لئے میں اُن سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ اُن کا نکاح میرے ساتھ کر دیجئے۔ آپ نے یہ اہانت خیز سوال سُن کر صبر کیا اور بتقاضائے اخلاق اُس کو جواب دیا تو یہ دیا کہ وہ خود عاقلہ بالغہ ہیں۔ اُنہیں اپنے نکاح کا اختیار ہے میں اُن کو مجبور نہیں کر سکتا۔ ہاں، البتہ پوچھ سکتا ہوں۔ اُس مرد نے کہا۔ بہت اچھا، دریافت کیجئے۔ خدا کی شان، آپ پوچھنے جا رہے تھے کہ پیچھے مڑ کر جو دیکھا تو اُس گستاخ کی گردن دھڑ سے الگ تھی۔ اللّٰہ تَعَالٰی کو اپنے دوست اور برگزیدہ کی عزت کی خاطر غیرت آئی۔ اسی وقت اُس بدبخت کا سر تن سے الگ ہو گیا۔

با بزرگاں مشو بحلم دلیر
سپرِ آفتاب تیغ زن است

ترجمہ : بردباری کے باعث بزرگوں کی بارگاہ میں گستاخ نہ بنو۔ آفتاب کی ڈھال کبھی تیغ زن ہو جاتی ہے۔

اہانت رسول کا کفر ہونا : رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کی اہانت کرنا کفر ہے، چنانچہ اللّٰہ تَعَالٰی سورۂ فرقان کے پہلے رکوع میں فرماتا ہے:-

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا۔ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا۔ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا۔

یعنی اور کافر کہنے لگے کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے، کیوں نہیں اُتارا گیا اُس کی جانب کوئی فرشتہ کہ وہ بھی رہتا اُس کے ساتھ ڈرانے والا یا ڈال دیا جاتا اُس کی طرف خزانہ، یا اُس کے پاس باغ ہوتا کہ اُس میں سے کھایا کرتا اور ظالموں نے کہا کہ بس تم تو پیچھے پڑے ہوئے ہو ایک جادو زدہ مرد کے۔ دیکھ کیسی بیان کیں تیرے لئے مثالیں۔ پس گمراہ ہو گئے اب راہ نہیں پاسکتے۔

کھانا کھانا، بازاروں میں چلنا، اور باغات وغیرہ کا نہ ہونا۔ گو حسبِ بیانِ کفار امور واقعی ہیں مگر چونکہ اس میں آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کی اہانت اور بے ادبی متضمن تھی، اس لئے توبیخ نازل ہوئی۔ پس ایسا کلام جس سے نبی علیہ السلام کی اہانت پائی جائے، ضمناً یا التزاماً، عمداً ہو یا سہواً، غیرواقعی ہو یا واقعی، کفر کو مستلزم ہے۔

انبیاء کرام سے استہزاء اور اہانت کرنا کفر ہے

کفراور بے ادبی کے کلمات: انبیاء علیہم السلام سے استہزا اور استخفاف کرنا کفر ہے۔ اور جو کوئی ایسا کرے وہ مرتد اور واجب القتل ہے۔ چنانچہ:-

(۱) عینی شرح کنز میں مرقوم ہے۔ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُکَفَّرُ فَیُقْتَلُ حَدًّا وَلَا یُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ اَصْلًا یعنی وہ شخص جس نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کو گالی گلوچ دی تو وہ کافر ہوا لہٰذا وہ بطور سزا قتل کیا جائے۔ اور اُس کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوسکتی۔

(۲) تاتارخانیہ میں مرقوم ہے۔ مَنْ عَابَ نَبِیًّا بِشَیْءٍ اَوْلَمْ یَرْضَ بِسُنَّۃِ نَبِیٍّ مِّنَ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَدْ کَفَرَ فَمَنْ قَالَ لِرَجُلٍ اِحْلِقْ رَاْسَکَ

وَاقْلِمْ اَظْفَارَکَ فَاِنَّ ھٰذَا سُنَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذٰلِکَ الرَّجُلُ لَا اَفْعَلُ وَاِنْ کَانَ سُنَّۃً فَقَدْ کَفَرَ۔ یعنی جس شخص نے انبیاء میں سے کسی نبی کو عیب لگایا وہ بیشک کافر ہوا۔ پس اگر ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے کہا کہ اپنا سر منڈا اور ناخن کتروا کیونکہ یہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کی سنت ہے اور اُس نے کہا کہ میں ایسا نہیں کروں گا اگرچہ سنت ہو تو وہ بیشک کافر ہوا۔

(۳) دُرِ مختار میں مرقوم ہے۔ یُقْتَلُ وَلَا یُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ وَمَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ فَقَدْ کَفَرَ وَکَذٰلِکَ الْاِسْتِھْزَآءُ وَالْاِسْتِخْفَافُ بِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ یعنی ایسا شخص قتل کیا جائے اور ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہوسکتی اور جس نے اُس کے کفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہوا اور اسی طرح کافر کرتا ہے مذاق کرنا اور ہلکا جاننا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کی شان کو۔

(۴) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ عَلَیْہِ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کدو کو دوست رکھتے تھے اور دوسرا کہے کہ میں اسے دوست نہیں رکھتا تو ایسا کہنا کفر ہے۔

(۵) چلپی میں مرقوم ہے کہ جو کوئی اس طرح کہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کا کپڑا میلا تھا یا ناخن بڑے بڑے تھے یا آپ کو شتربان کہے تو وہ شخص کافر ہے۔ ایسا شخص قتل کر دیا جائے۔ یا اگر کوئی آپ کو بدصورت یا بد قطع داڑھی والے سے تشبیہ دے تو قتل کر دیا جائے۔

اگر کوئی شخص آپ کو بے ادبی کا لفظ خواہ نادانستہ خواہ نشہ میں کہے تو وہ بھی قتل کر دیا جائے۔

ع باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

ترجمہ: خدا کے ساتھ دیوانہ ہو لیکن اللہ کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمۡ کے سامنے عقل ٹھکانے رکھو۔

کتبِ عقائد میں ہے کہ اگر کوئی آپ کے موئے مبارک کو مُویک بکافِ تصغیر کہے تو وہ کہنے والا کافر ہو جاتا ہے، بلکہ جس چیز یا جس جانب آپ کو نسبت ہو وہ بھی واجب التعظیم ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک امیر نے امام مالک رَحمۃ اللّٰہ عَلَیۡہِ کے زمانہ میں کہا کہ مدینہ کی مٹی ناقص ہے۔ امام مالک رَحمۃ اللّٰہ عَلَیۡہِ نے اُسے تیس دُرّے لگائے۔ اور قید کیا اور کہا کہ یہ شخص اس بات سے گردن مارنے کے لائق ہوگیا۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے کہا تھا کہ مدینے کا دہی پتلا ہوتا ہے۔ اُس کو غیب سے آواز آئی۔ اے شخص تو مدینہ سے نکل جا تو مدینہ کے لائق نہیں ہے۔ جہاں عمدہ دہی ہے وہاں جاکے رہو۔ فوراً اُس نے توبہ کی۔ اور بہت رویا۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

ترجمہ: اللّٰہ تعَالیٰ سے ہم ادب کی توفیق کے طالب ہیں کیونکہ بے ادب اللّٰہ تعَالیٰ کے فضل سے محروم رہ جاتا ہے۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عظمت و بزرگی نہ کرنے سے آپکو اذیت کا پہنچنا :

حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کے روبرو حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ نے تورات کا مطالعہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کی حالت متغیر ہوگئی۔ اور چہرۂ مبارک سے آثارِ غضب پیدا ہوگئے۔ باوجود خلق عظیم کے ایسے جلیل القدر صحابی پر عتاب فرمایا چنانچہ حدیث شریف میں ہے:-

عَنۡ جَابِرٍ اِنَّ عُمَرَ بۡنَ الۡخَطَّابِ اَتٰی رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ بِنُسۡخَۃٍ مِّنَ التَّوۡرَاۃِ فَقَالَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ ھٰذِہٖ نُسۡخَۃٌ مِّنَ التَّوۡرَاۃِ،

فَسَکَتَ، فَجَعَلَ یَقۡرَأُ وَ وَجۡہُ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ یَتَغَیَّرُ فَقَالَ اَبُوۡ بَکۡرٍ ثَکِلَتۡکَ الثَّوَاکِلُ مَاتَرٰی مَابِوَجۡہِ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰی وَجۡہِ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوۡلِہٖ رَضِیۡنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیۡ نَفۡسُ بِیَدِہٖ لَوۡ بَدَالَکُمۡ مُوۡسٰی فَاتَّبَعۡتُمُوۡہُ وَتَرَکۡتُمُوۡنِیۡ لَضَلَلۡتُمۡ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ وَلَوۡ کَانَ مُوۡسٰی حَیًّا وَّاَدۡرَکَ نُبُوَّتِیۡ لَاتَّبَعَنِیۡ (رواہ الدارمی۔ مشکوۃ)

یعنی دارمی میں جابر رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ نے تورات کا نسخہ لاکر رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمۡ کی خدمتِ اقدس میں آکر عرض کی۔ یا رسول اللّٰہ! یہ تورات کا نسخہ ہے۔ حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام خاموش ہوگئے تو وہ لگے پڑھنے۔ اِدھر حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمۡ کا چہرۂ مبارک متغیر ہونے لگا۔ ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ نے آپکے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر عمر رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ کو کہا عمر تم تباہ ہوگئے۔ کیا تم رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمۡ کے چہرۂ مبارک کو نہیں دیکھتے۔ معاً عمر رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر کہنے لگے میں خدا اور رسول کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ ہم اپنے پروردگار اور دین اسلام اور اپنے نبی محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمۡ سے راضی ہیں۔ یہ سُن کر رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمۡ نے فرمایا۔ قسم ہے اللّٰہ کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام تم میں ظاہر ہوتے، اور

تم لوگ مجھے چھوڑ کر اُن کی پیروی کرتے تو تم ضرور گمراہ ہو جاتے۔ لیکن اگر موسیٰ علیہ السلام اس وقت موجود ہوتے اور میری نبوت کے زمانہ کو پاتے تو وہ بھی میری ہی اطاعت کرتے۔

اب ہر عقل سلیم والا سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عنہ جیسے صحابی کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوارِ طبعِ غیور ہوئی تو کسی اور کی اس تقریر سے جو حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کے فضائل میں شک ڈال دیتی ہے کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی۔ ہرگز نہیں، چنانچہ اللہ تعَالٰی سورۂ احزاب رکوع ۷ میں ارشاد فرماتا ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔

یعنی جو لوگ اِیذا دیتے ہیں اللہ کو اور اُس کے رسول کو لعنت کرے گا اُن کو اللہ دنیا اور آخرت میں اور مُہیّا کر رکھا ہے اُن کے واسطے ذِلّت کا عذاب۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ کی بے ادبی اور گستاخی کرنے والے آخرت میں عذابِ شدید میں مبتلا ہوں گے اور دنیا میں بھی اُن پر لعنت برستی رہے گی۔

بے ادبی اور گُستاخی کے نقائص اور ضرر (از مولانائے روم)

از خدا خواہیم توفیقِ ادب بے ادب محروم ماند از لطفِ رب

مولانا فرماتے ہیں کہ ہروقت ہماری دعا و تمنا اللہ تعَالٰی سے یہی ہے کہ ہم کو ادب کی توفیق دے اس واسطے کہ بے ادب لطفِ رب سے محروم رہتا ہے۔

بے ادب تنہا نہ خودرا داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ترجمہ: اور اگر فقط یہی ہو کہ وہی محروم رہے تو رہے، بلا سے، سو یہ نہیں بلکہ اُس کی بے ادبی تمام جہان کو پُھونک کر خاک سیاہ کر دیتی ہے۔ بموجب مثل ہندی کے کہ گیہوں کے پیچھے گُھن پس جاتے ہیں۔

مائدہ از آسماں در مے رسید بے شرا و بیع بےگفت و شنید

ترجمہ: چنانچہ مولانا فرماتے ہیں کہ آسمان سے اچھا خاصا بے کلفت پکا پکایا کھانا آتا تھا بے خرید و فروخت نہ کسی سے کہنا نہ سُننا۔ اور وہ من و سلویٰ تھا جیسا کہ اللہ تعَالٰی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى کہ یہ بھی طعام ہی تھا۔

درمیانِ قومِ موسیٰ چند کس بے ادب گفتند کو سِیر و عدس

ترجمہ: آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے چند شخص بے ادب کہہ اُٹھے کہ ہم سے یہ ایک کھانا نہیں کھایا جاتا۔ اور درخواست کی کہ ہمیں یہ چیزیں درکار ہیں۔ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا یعنی ساگ پات اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز وغیرہ۔

منقطع شد خوان و ناں از آسماں ماند رنجِ زرع و بیل و داسماں

پس اس بے ادبی سے خوان و نان کا آنا آسمان سے موقوف ہو گیا اور یہ بکھیڑا کھیتی اور پھاؤڑہ ھنسیہ کا سر پر پڑا۔

باز عیسیٰ چوں شفاعت کرد حق خوان فرستاد و غنیمت بر طبق

الغرض اوپر کی کیفیت موسیٰ علیہ السلام کے وقت تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حسبِ درخواست حواریوں کے سفارش کی تو پھر اللہ تبارک وتعَالٰی نے مفت کا خوان بر طبق اُن کو بھیجا جس میں روٹیاں اور گوشت خشک بریاں اور مچھلی، شہد، سرکہ، نمک مرچ پسا ہوا ایک ابر کے نوری

ٹکڑے میں رکھا ہوا اور ایک ٹکڑے سے چھپا ہوا آنے لگا۔

مائدہ از آسماں شد عائدہ چونکہ گفت اَنزِل عَلَینا مَائِدَہ

اور وہی خوان اُن پر عائد ہوا اور لوٹا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً (سورۂ مائدہ رکوع ا) یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم پر خوان نازل کر۔

باز گستا خاں ادب بگذاشتند چوں گدایاں زلہا برداشتند

پھر گستاخوں بے ادبوں نے ادب چھوڑا اور فقیروں کی طرح دوسرے وقت کے لئے کھانا رکھنے لگے۔ اور اس کی ممانعت تھی۔

کرد عیسیٰ لابہ ایشاں را کہ ایں دائم است و کم نگردد از زمیں

جب اُنھوں نے رکھنا شروع کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہایت نرمی و عاجزی سے کہا کہ ایسا مت کرو۔ یہ خوان ہمیشہ ہے کبھی زمین سے کم نہ ہوگا۔

بدگمانی کردن و حرص آوری کفر باشد نزدِ خوان مہتری

یہ خوان نعمائے الٰہی ہے۔ اس پر بند ہونے کی بدگمانی کرنا اور حریص بننا کفر ہے۔ کوئی کسی سردار کے خوان پر بھی ایسی بدگمانی نہیں کرتا۔

زاں گدا رویاں نا دیدہ ز آز آں درِ رحمت بر ایشاں شد فراز

نان وخوان از آسمان شد منقطع بعد زاں خواں نشد کس منتفع

انجام یہ ہوا کہ انہیں گدا روُ ندیدوں کی حرص سے وہ دروازہ رحمت کا جو اُن پر کُھلا تھا بند ہوگیا۔ اور وہ روٹی اور خوان آنا آسمان سے ایسا منقطع ہوگیا کہ پھر کوئی اُس سے فائدہ مند نہ ہوا۔

ابر نا ید از پے منعِ زکوٰۃ وز زنا افتد وبا اندر جہات

مولانا فرماتے ہیں۔ دیکھو زکوٰۃ نہ دینے یا زنا کرنے کا وبال کس قدر شدید ہے کہ چند اشخاص کی حرکت سے عامۃ الناس مبتلائے عذاب ہو جاتے ہیں۔

حالانکہ سب لوگ زانی اور صاحبِ نصاب نہیں ہوتے، بلکہ شہر بھر میں قدرے قلیل، مگر جب زکوۃ نہ دینے کے وبال سے قحط پڑتا ہے تو انہیں قدرِ قلیل کی بدولت تمام شہر والے آفتِ جُوع میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی چند زانیوں کے گناہ کی شامت سے سارا شہر مبتلائے وبا ہو جاتا ہے۔

ہر چہ بر تو آید از ظلماتِ غم آں ز بیباکی و گستاخی است ہم

الحاصل جو کچھ تجھ پر غم کے اندھیروں سے آئے وہ تیری ہی بیباکی اور گستاخی سے ہے۔

ہر کہ گستاخی کند بر راہِ دوست رہزنِ مرداں شد و نامرد اوست

پس جو کوئی گستاخی راہ دوست میں کرے، یعنی جو راہ دوست کی نکالی ہوئی ہے، اُس کے خلاف چلے، وہ مردوں کا راہزن ہے، کہ اُس کو دیکھا دیکھی اور بدراہ ہو جاتے ہیں اور وہ خود نامرد ہے کہ خلافِ مردی کام کرتا ہے۔

از ادب پُر نور گشتہ است ایں فلک وز ادب معصوم و پاک آمد ملک

مولانا فرماتے ہیں کہ ادب جس سے مراد یہ ہے کہ ہر امر کی حدود کو ملحوظ رکھا جائے، ایسی چیز ہے کہ اس کی برکت سے فلک روشن ہو رہا ہے۔ یعنی جیسا حکم گردش کا مالک نے دیا ہے، ہمیشہ اُسی گردش پر چلا جاتا ہے۔ سر مو فرق نہیں کرتا۔ اپنے اس حُسنِ انتظام کی بدولت دن کو آفتاب سے رات کو ستاروں اور مہتاب سے منور رہتا ہے۔ اور اسی ادب کی بدولت فرشتے معصوم و پاک ہوئے کہ جو فرمان مالک کا اُن کو ہے اُس کی بجا آوری میں مصروف ہیں کہ بدوں مرضیِ مالک کچھ نہیں کرتے۔

بُد ز گستاخی کسوفِ آفتاب شد عزازیلے ز جُرأت ردِّ باب

اور گستاخی کہ شوخی و بے ادبی کو کہتے ہیں، ایسی بُری شئے ہے کہ اس سے آفتاب جیسی روشن چیز سیاہ و تاریک ہوئی، جیسا کہ امام حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عنہ کی

شہادت کے بعد اُن کے قاتلوں کے جُرم کی شُومی سے تین دن کسوف رہا- اور اسی گستاخی کی وجہ سے عزازیل بحرِ لعنت میں ڈبویا گیا کہ بعد حکم سجدۂ آدم علیہ السلام اُس نے دلیرانہ کہا- اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ- یعنی میں آدم سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے- اور احکم الحاکمین کے حکم کو نہ مانا- جس کے باعث لعنت کا طوق اس کے گلے میں ابدالآباد تک ڈالا گیا- ؎

تکبر عز ازیل را خوار کرد بزندانِ لعنت گرفتار کرد

ترجمہ : تکبر نے شیطان کو ذلیل کیا اور لعنت کے قید خانہ میں اسے گرفتار کر دیا-

---

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ چہارم :

اندازۂ عظمتِ امام الانبیاء (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ) بنظرِ صحابہ

صحابہ کا طریقِ آدابِ رسول عَلَیْہِ الصلوٰۃ والسلام : اللہ تَعَالیٰ کلامِ مجید میں متعدد مقامات پر ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں، کلامِ الٰہی کو برحق مانتے ہیں اور خدائے تَعَالیٰ اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کے ارشادات پر عمل کرتے ہیں، وہ جنت کے مستحق ہوں گے، جہاں ہر قسم کے عیش و عشرت کے سامان مُہیّا ہیں- اور جو لوگ دنیا کے عیش و عشرت میں مشغول ہو کر اللہ تَعَالیٰ کو بُھول جاتے ہیں وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے جہاں طرح طرح کے عذاب ہیں- چونکہ صحابہ کو خدا و رسول کے ارشاد پر یقین واثق اور عشق کامل تھا، اس لئے وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ ایسے کام کریں جس کے باعث دوزخ سے محفوظ رہ کر جنت کے مستحق ہو جائیں، جہاں اُس محبوب حقیقی کے جمال لایزال کے مشاہدہ سے بہرہ ور ہوں گے- یوں تو ہر مسلمان کا دعویٰ ہے کہ میں جو کام کرتا ہوں وہ اچھا ہے- اور اپنے آپ کو اچھا ظاہر کرتا ہے- حتیٰ کہ ایک بدکردار بھی اپنے آپ کو نیکوکار سمجھتا ہے- ؎

ہر کسے خود رانماید بایزید نیک چوں بنی بماند بایزید

مگر اصحابِ کرام کے حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہمارے اور اُن کے اعمال و افعال میں کیا نسبت ہے اور اُن کو خدا و رسول کے ساتھ کس درجہ کا عشق تھا اور ہم کو کتنا۔

مسلمانو! صحابۂ کرام وہ لوگ تھے جن کی افضلیت پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے خود گواہی دی ہے۔ چنانچہ دیلمی نے مسند فردوس میں ذکر کیا ہے:-

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ نَظَرَ فِيْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَلَمْ يَجِدْ قَلْبًا اَتْقٰى مِنْ قُلُوْبِ اَصْحَابِيْ وَلِذٰلِكَ اِخْتَارَهُمْ فَجَعَلَهُمْ اَصْحَابًا فَمَا اسْتَحْسَنُوْا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَّمَا اسْتَقْبَحُوْا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ قَبِيْحٌ

یعنی فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے کہ اللہ تَعَالٰی نے کوئی قلب میرے صحابہ کے قلوب سے زیادہ پاکیزہ نہیں دیکھا۔ اس لئے ان کو میری صحابیت کے لئے پسند فرمایا، جو کچھ وہ اچھا سمجھیں، وہ اللہ تَعَالٰی کے نزدیک اچھا ہے اور جو بُرا سمجھیں وہ اللہ تَعَالٰی کے نزدیک بُرا ہے۔

غرض صحابۂ کرام کے دلوں میں حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کی بڑی عظمت تھی اور وہ آپ کے آداب کی رعایت رکھتے تھے۔ باوجود اس کے اگر کسی سے بمقتضائے بشریت یا سادگی سے کوئی ایسی حرکت ہو جاتی، جس میں بے ادبی کا شائبہ ہوتا، تو ساتھ ہی کلامِ الٰہی میں تنبیہ اور زجر و توبیخ نازل ہوتی، جس سے سب متنبہ اور ہوشیار ہو جاتے۔ غرض رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی زندگی میں اصحاب کرام کے قلوب میں آپ کی تعظیم و تکریم اس قدر جاگزیں تھی کہ رسول اللہ صَلَّی

اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے روبرو بات نہ کر سکتے تھے اور اگر اُن کو کچھ دریافت کرنا ہوتا، تو کئی دنوں تک خاموش رہتے اور موقع کے منتظر رہتے، یا کسی بدوی کی فکر میں رہتے کہ وہ آ کر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے کچھ پوچھے۔ اور ہم استفادہ کریں۔ کیونکہ وہ حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کی تعظیم و اِجلال کے باعث خود دریافت نہ کر سکتے تھے۔ اور جب مجلس شریف میں آ کر بیٹھتے تو بالکل بے حس و حرکت سر نیچے کئے بیٹھے رہتے۔ کبھی نگاہ اُٹھا کر بھی حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کی طرف نہ دیکھتے۔

صحابۂ کرام کے آداب کما ینبغی تحریر میں نہیں آ سکتے، کیونکہ ادب ایک کیفیت قلبی کا نام ہے، جس سے مختلف اَقسام کے آثار و اَفعال ظہور میں آتے ہیں۔ اس کو بیان کرنا اِمکان سے خارج ہے۔ مگر چند آثار درج کئے جاتے ہیں جن سے غرض یہ ہے کہ مسلمان ان حضرات کی کیفیت قلبی کو پیشِ نظر رکھ کر اُس قسم کی کیفیت قلبی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

صدیقِ اکبر رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ کا طریقِ ادبِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

صحیح بخاری میں سہل بن سعد ساعدی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے واسطے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو مؤذن نے صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے پوچھ کر اقامت کہی۔ اور انہوں نے امامت کی۔ اس عرصہ میں حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام بھی تشریف فرما ہو گئے اور صف میں قیام فرمایا۔ جب نمازیوں نے حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کو دیکھا تو دستک دینے لگے۔ اس غرض سے کہ صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ خبردار ہو جائیں۔ کیونکہ اُن کی عادت تھی کہ نماز میں کسی طرف

دیکھتے نہ تھے- جب صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے دستک کی آواز سُنی ، تو گوشہ
چشم سے دیکھا، کہ حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام تشریف فرما ہیں- لہٰذا پیچھے ہٹنے کا قصد
کیا- اس پر حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام نے اشارہ سے فرمایا کہ اپنی ہی جگہ پر قائم
رہو- صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور اس نوازش پر کہ
حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام نے مجھے امامت کا حکم فرمایا اللہ تَعَالٰی کا شکریہ ادا کیا- اور
پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے- اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ آگے
بڑھے- جب نماز سے فارغ ہوئے، تو فرمایا کہ اے ابو بکر! جب میں خود تمہیں حکم
کر چکا تھا تو تم کو اپنی جگہ پر کھڑے رہنے سے کون چیز مانع ہوئی تھی- عرض کیا
یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ ابی قحافہ کا بیٹا اس لائق نہیں کہ اَنْ یُّصَلِّیَ
بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کے آگے بڑھ کر نماز پڑھائے"-

اب یہاں گہری نظر کی ضرورت ہے کہ باوجودیکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ کو پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا- مگر
اُن سے اِمتثال نہ ہوسکا ، حالانکہ اللہ تَعَالٰی سورۂ حشر رکوع ۱ میں ارشاد فرماتا ہے-
وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا یعنی اور جو حکم دیں
تم کو رسول، تو اُس کو قبول کرو- اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو"- اس
انکار کی حکمت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حال میں بالتفصیل لکھی گئی ہے-

کنزل العمال میں مروی ہے- قَالَ ابْنُ الْاَعْرَابِیِّ رُوِیَ اَنَّ اَعْرَابِیًّا
جَآءَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالَ اَنْتَ خَلِیْفَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَالَ فَمَا اَنْتَ قَالَ اَلْخَالِفَۃُ بَعْدَہٗ یعنی ایک اعرابی حضرت
ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ آپ رسول اللہ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کے خلیفہ ہیں؟ آپ نے فرمایا ، نہیں- اُس نے کہا- پھر کیا

ہو؟ آپ نے فرمایا- کہ میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کے بعد خَالِفَہ ہوں-
جوہری نے صحاح میں لکھا ہے کہ خَالِفَہ اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی گھر
کے سب لوگوں میں ایسا ہو جس میں کچھ خیر نہ ہو- چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے
ہیں صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ کو ادب نے اجازت نہ دی کہ اپنے آپ کو
اس لفظ کا مصداق سمجھیں- اس لئے اُس کو ایسے طور سے بدلا جس میں مادہ خلافت
باقی رہے اور ادب بھی ہاتھ سے نہ جائے- حالانکہ آپ کی خلافت احادیثِ صحیحہ سے
صراحتاً ثابت ہے-

جائے غور ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ اپنے آپ کو
حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کے خلیفہ کہنے میں تامل کرتے ہیں تو اب ان لوگوں کو کیا
کہیں جو کمالِ فخر سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کے ساتھ برابری اور بھائی
ہونے کی نسبت لگاتے ہیں- معلوم نہیں کہ اس برابری سے اُن کا مقصود کیا ہے-
اگر اُن کو اپنی فضیلت ظاہر کرنا منظور ہے تو وہ خصوصیاتِ حضور کہاں ہیں جو نہ کسی
نبیِ مرسل کو نصیب ہوئیں- اور نہ کسی فرشتہ مقرب کو ملیں-

کافراں دیدند احمد رابشر این نے دانند کہ آں شق القمر
گر بصورت آدمی انساں بدے احمد و بوجہل خود یکساں بدے

ترجمہ : کفار نے حضور نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کو صرف بشر جانا
لیکن انہوں نے آپ کا معجزہ شق القمر نہ دیکھا-
اگر آدمی کی صورت کا ہر فرد انسان ہوتا تو حضرت احمد مجتبیٰ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَآلِہٖ وَسَلَّمْ اور ابو جہل برابر ہوتے-
افسوس ان لوگوں کو اتنی سمجھ نہیں کہ-

در محفلے کہ خورشید اندر شمارِ ذرہ ہست خود را بزرگ دیدن شرطِ ادب نباشد

ترجمہ : جس مجلس میں سورج بھی آپ کی راہ کا ایک ذرہ شمار ہوتا ہے

وہاں اپنے آپ کو بزرگ خیال کرنا ادب کی علامت نہیں ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے باپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی کرنے کے سبب طمانچہ مارنا :

ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ کے والد ابو قُحافہ نے کفر کی حالت میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کی شان میں کوئی ناشائستہ کلمہ مُنہ سے نکالا۔ اس پر ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے فوراً اُن کے مُنہ پر طمانچہ کھینچ مارا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے دریافت کیا، تو عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی ورنہ ایسی گستاخی پر اُس کی گردن اُڑا دیتا۔ اُسی وقت آپ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ۔ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (سورہ مجادلہ ع ۳)

تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور روز آخرت پر کہ وہ ایسوں سے دوستی کریں جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے، گو وہ اُن کے باپ ہوں، یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی ہوں، یا اُن کے کنبے کے، یہی ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اُن کی تائید کی اپنے

فیضانِ غیبی سے اور اُن کو داخل فرمائے گا ایسے باغوں میں کہ بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں ہمیشہ وہیں رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی اور وہ اس سے راضی۔ یہ خدائی لشکر ہے۔ خبردار ہو جاؤ اللہ کا لشکر وہی فلاح پانے والے ہیں۔

دیکھیے۔ اس آیتِ مبارک سے حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ کی کیسی شان پائی جاتی ہے۔

جب

حضرت ابو بکرؓ نے منبر پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ پر بیٹھنا خلافِ ادب سمجھا :

حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ آغازِ خلافت میں منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینے لگے تو منبر کے جس درجے پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ بیٹھ کر خطبہ القا فرمایا کرتے تھے حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ اس سے نیچے کے درجے پر بیٹھے۔ کہ ع

بجائے بزرگاں نشستن خطا است

ترجمہ : بزرگوں کی جگہ پر بیٹھنا غلطی ہوتی ہے۔

پھر جب حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے اپنے ایامِ خلافت میں اُسی منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینا چاہا تو اس درجہ سے بھی نیچے درجے پر بیٹھے کیونکہ اُن کے نزدیک مقامِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کے ادب کے ساتھ خلیفۂ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کے مقام کا ادب بھی واجب تھا۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

ترجمہ : ہم خدا تعالیٰ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ گستاخ اللہ تعالیٰ کے کرم سے محروم رہ جاتے ہیں۔

حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ، کا طریقِ ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ کے مکان کی چھت پر ایک پرنالہ تھا۔
ایک روز حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ نئے کپڑے پہنے ہوئے مسجد کو جا رہے تھے۔
جب اس پرنالے کے قریب پہنچے، اتفاق سے اُس دن حضرت عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی
عنہ کے گھر دو مرغ ذبح کئے جا رہے تھے، یکایک اُن کا خون اُس پرنالے سے ٹپکا اور
اُس کے چند قطرے عمر خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ کے کپڑوں پر پڑ گئے۔ آپ نے
اُس پرنالے کے اکھاڑ ڈالنے کا حکم صادر فرمایا۔ لوگوں نے فوراً اُس پرنالے کو اُکھاڑ
دیا۔ اور آپ گھر واپس آکر دوسرے کپڑے پہن کر مسجد میں تشریف لائے۔ ادائے
نماز کے بعد حضرت عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ آپ کے پاس آکر کہنے لگے۔ یا امیر
المومنین خدا کی قسم اس پرنالے کو جسے آپ نے اُکھیڑ ڈالا ہے رسول اللہ صَلَّی اللہُ
عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے اپنے دستِ مبارک سے اس جگہ لگایا تھا۔ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ
تَعَالٰی عنہ یہ سُن کر نہایت مضطرب اور پریشان ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے
عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ کو فرمایا کہ اے عباس! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ اپنے پیر
میرے کندھے پر رکھ کر اس پرنالے کو جیسا حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام نے لگایا تھا،
اس جگہ پر لگا دو۔ چنانچہ حضرت عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ نے حضرت عمر فاروق
رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ کی درخواست پر اس کو پہلی جگہ پر لگا دیا۔

دیکھئے۔ حضرت عمر اور حضرت عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہما کے دل میں
حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کی کس قدر عظمت اور عزت تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کا طریقِ ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی

عنہ کو قریش کی طرف جنگِ حدیبیہ میں صلح کے واسطے بھیجا تو قریش نے عثمان رَضِیَ
اللہُ تَعَالٰی عنہ کو طواف کرنے کی اجازت دی۔ لیکن آپ نے طواف کرنے سے انکار
کیا۔ اور اپنے پروردگار کے حکم یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اپنے آقائے نامدار کا ادب و تعظیم مدنظر رکھ کر فرمایا۔ مَا كُنْتُ
لِاَفْعَلَ حَتّٰی یَطُوْفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی میں
طواف نہ کروں گا جب تک میرے مولا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ طواف نہ
کریں گے۔

دیکھئے حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ نے بیتُ اللہ شریف کے طواف
کرنے کے مقابلے میں جو عبادت میں داخل ہے حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کے
رعایتِ ادب کو افضل جانا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ عَلَیْہِ مدارج النبوت میں لکھتے ہیں کہ
کوئی عبادت حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کی رعایتِ ادب کے برابر نہیں ہے۔

اسی طرح حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کے وِصال کے بعد صَحابۂ کرام اور
تابعینِ عظام حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کی حدیث اور کلام کے ذکر کے وقت آپ کی
تعظیم و توقیر فرمایا کرتے۔ اور آپ کا ادب ملحوظ رکھتے تھے۔

کنزالعمال میں حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے
اُنہوں نے کہا کہ میں اسلام میں چوتھا شخص ہوں۔ اور میرے نکاح میں رسول اللہ
صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے دی ہیں اور میں نے
جب سے اپنا دہنا ہاتھ حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کے دستِ مبارک سے ملایا ہے، اُس
دن سے میں نے اس ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو کبھی نہیں چھوا۔ (کیمیائے سعادت)

ادب کا یہ وہ مرتبۂ عظمیٰ ہے، جس پر ہر شخص مکلف نہیں۔ بلکہ یہ صرف
حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ کا ہی حصہ تھا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ حدیث

شریف میں آیا ہے- وَاِذَا اَتَی الْخَلَآءَ فَلَا یَمُسُّ ذَکَرَہٗ بِیَمِیْنِہٖ وَلَا یَتَمَسَّحُ بِیَمِیْنِہٖ یعنی جب کوئی پاخانے جائے تو دائیں ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہ چھوئے، نہ اس سے نجاست پونچھے- دوسری حدیث ہے کَانَتْ یَدُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْیُمْنٰی لِطُھُوْرِہٖ وَطَعَامِہٖ وَکَانَتْ یَدُہُ الْیُسْرٰی لِخَلَائِہٖ وَمَا کَانَ مِنْ اَذًی یعنی جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کا دایاں ہاتھ وضو کرنے اور کھانے کے لئے تھا- اور آپ کا بایاں ہاتھ پاخانہ میں ڈھیلا استعمال کرنے اور ہر مکروہ چیز کے لئے تھا"- ان حدیثوں سے ثابت ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر اس قدر برتری ہے کہ پاخانہ وغیرہ کی حالت میں اسے مکروہ نجس اشیاء کو چھونے سے بچایا جائے- اور اس خدمت کے لئے صرف بائیں ہاتھ کو مخصوص کرلیا جائے- مگر حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے اس فضیلت کی بناء پر کہ ان کا ہاتھ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے مبارک ہاتھ سے چھو چکا ہے اُس کے شرف کو اس قدر وسیع اور عام کرلیا کہ خلا وغیرِ خلا وغیرہ کی حالت میں بھی مدت العمر اس سے مس ذکر نہ کیا- یعنی دائیں ہاتھ کی جو فضیلت حالتِ خلا میں مس ذکر سے مانع تھی، وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے ہاتھ کے چھُونے کے باعث اس قدر وسیع کرلی، کہ غیرِ خلاء کی حالت میں بھی اس سے مس ذکر گوارا نہ کیا- یا یُوں سمجھو، کہ اگر شرع نے دائیں ہاتھ سے مس ذکر کرنے سے اس لئے منع کیا ہے کہ وہ بائیں سے اشرف ہے تو حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے اس کے عدمِ مسِ ذکر کی علت بجائے اس کے دایاں ہونے کے اس امر کو قرار دیا کہ وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے ہاتھ کے ساتھ چھو چکا ہے- فَافْہَمْ-

اب ایک اور پہلو پر نظرِ ثانی کرنی چاہئے- یعنی اگر اس ہاتھ میں کسی قسم کی برکت پیدا ہوگئی تھی تو شرمگاہ میں کونسی بُرائی رکھی تھی، جس کو وہ متبرک ہاتھ لگانا

مذموم سمجھا گیا، حالانکہ احادیث و آثار سے مصرح ہے کہ وہ بھی ایک عضو ہے مثل اور اعضاء کے- چنانچہ حدیث شریف میں ہے-

(۱) عَنْ قَیْسِ بْنِ طَلْقٍ اَنَّ اَبَاہُ حَدَّثَہٗ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ مَسَّ ذَکَرَہٗ اَیَتَوَضَّؤُ قَالَ ھَلْ ھُوَ اِلَّا بُضْعَۃٌ مِّنْ جَسَدِکَ

یعنی موطا امام محمد میں قیس بن طَلْق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے پوچھا کہ کیا آلۂ تناسل کے چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے، فرمایا وہ تو ایک ٹکڑا ہے تیرے جسم کا-

(۲) عَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ مَآ اُبَالِیْٓ اِیَّاہُ اَمْسَسْتُ اَوْ اَنْفِیْ اَوْ اُذُنِیْ

یعنی موطا امام محمد میں مروی ہے کہ علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے فرمایا کہ مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ ذکر کو مس کروں یا ناک کو یا کان کو، یعنی ان تمام اعضاء کے چھونے کا ایک ہی حکم ہے-

(۳) عَنْ اِبْرَاھِیْمَ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ سُئِلَ عَنِ الْوُضُوْءِ مِنْ مَسِّ الذَّکَرِ فَقَالَ اِنْ کَانَ نَجِسًا فَاقْطَعْہُ-

یعنی موطا امام محمد میں ابراہیم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے پوچھا کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں- کہا اگر وہ نجس ہے تو اس کو کاٹ ڈال-

الحاصل شرعاً بول و براز کی حالت کے سوا دیگر حالت میں مسِ ذکر میں کوئی کراہت نہیں- البتہ اگر کراہت ہے تو طبعی ہے- پھر اس کراہتِ طبعی کو ادب نے وہاں اس درجہ بڑھایا کہ مشابہ بلکہ زیادہ کراہتِ شرعی سے کردیا- جس کی وجہ سے حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ عمر بھر اس فعل سے بچتے رہے-

اس سے معلوم ہوا کہ ادب ایک ایسی چیز ہے کہ اپنا پورا اثر کرنے میں نہ منتظرِ امر ہے نہ محتاجِ نظیر؛ بلکہ اہلِ ایمان میں وہ ایک قوتِ راسخہ ہے جس کو خاص ایمان کے ساتھ تعلق ہے- اور اس کا منشا عظمت و قوت اُس شخص یا اُس چیز کی ہے، جس کے آگے ادب کرنے والا اپنے کو کم درجہ اور ذلیل سمجھتا ہے-

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طریقِ ادبِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ

صحیح مسلم میں حضرت براء بن عازِب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب وہ صلح نامہ لکھا جو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کے اور کفار کے درمیان حدیبیہ کے دن ٹھہرا تھا، جس میں یہ عبارت تھی- ھٰذَا مَا کَاتَبَ عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو مشرکوں نے کہا کہ لفظ رَسُوْلُ اللّٰہِ نہ لکھو، کیونکہ اگر رسالت مُسلَّم ہوتی تو پھر لڑائی کیا تھی- اس پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ اس لفظ کو مٹا دو، اُنھوں نے عرض کیا کہ میں وہ شخص نہیں ہوں جو اس لفظ کو مٹا سکوں- لہٰذا حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام نے خود اس کو اپنے ہاتھ سے مٹایا-

اب یہاں تعمقِ نظر کی ضرورت ہے کہ باوجودیکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے علی کرم اللہ وجہہ کو لفظ رسول اللہ مٹانے کا امر فرمایا تھا، مگر ان سے امتثال نہ ہوسکا حالانکہ اللہ تعالٰی سورۃ حشر رکوع ۱ میں ارشاد فرماتا ہے- وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا یعنی اور جو حکم دیں تو تم کو رسول، تو اُس کو قبول کرو- اور جس چیز سے منع کریں، اُس سے باز رہو-

سورۂ احزاب رکوع ۵ میں ارشاد فرماتا ہے- وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ

اَمْرِھِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا- یعنی اور یہ حق نہیں کسی ایماندار مرد کا نہ عورت کا، جب فیصلہ کر دے اللہ اور اُس کا رسول کسی امر کا کہ اُن کو رہے اختیار اپنے معاملہ کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ اور اُس کے رسول کی، سو راہ بھولا صریح چُوک کر-

اِمتثالِ امر نہ ہونے کی وجہ :

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے، جس کے دفعیہ کے لئے تعمق نظر درکار ہے- وہ یہ ہے کہ اس کا تو احتمال ہی نہیں ہوسکتا کہ ان حضرات سے عدول حکمی عمل میں آئے- وہ بھی کس موقع میں جبکہ خود رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ بہ نفس نفیس روبرو حکم فرما رہے ہیں اور اس کا بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ اُن حضرات میں گویا سرتابی کا مادہ ہی نہ تھا- اس سے بڑھ کر انقیاد کیا ہو، کہ ایک اشارہ پر جان دینا اُن کے سامنے کوئی بڑی بات نہ تھی- اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ عدولِ حکمی خلافِ مرضیِ خدا و رسول تھی- کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو خود حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام ان کو زجروتوبیخ فرما دیتے، بلکہ کوئی آیت نازل ہوجاتی- اس لئے کہ ان حضرات کی تادیب کا لحاظ بیش از بیش مرعی تھا- اس وجہ سے کہ وہ حضرات ایک عالم کے مقتدا ہونے اور دنیا کے لئے نمونہ بننے والے تھے- غرض ان تمام امور پر نظر ڈالنے سے پریشانی ہوتی ہے مگر یہ خلجان اس طرح سے دفع ہوسکتا ہے کہ ان حضرات کا پاسِ ادب جو سچے دل سے تھا، وہ کچھ ایسا بافروغ تھا کہ اُس کے مقابلہ میں وہ عدول حکمی قابلِ التفات نہ ہوئی- اگر اس حالت کو خیال کیجئے بشرطیکہ دل میں وقعت و عظمت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کی کامل طور پر ہو تو معلوم ہو گا کہ ان حضرات کے دلوں کا اس وقت کیا حال ہوگا- اُدھر خود بہ نفسِ نفیس سید المرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ بالمواجہ حکم فرما رہے ہیں اور ایک طرف سے آیات و احادیث بآوازِ بلند کہہ رہی ہیں کہ خبردار امرِ واجبُ الانقیاد سے سرِمو انحراف نہ ہونے پائے- اور اِدھر ادب کا دل پر اس قدر تسلط ہے کہ

انتقال کے لئے نہ ہاتھ یاری دیتے ہیں نہ پاؤں- آخر ان بزرگوں کو ادب نے اس
قدر مجبور کیا کہ انتقال امر ہو ہی نہ سکا اور انہوں نے وہی کیا جو مقتضائے ادب تھا-
اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب نصِ قطعی کے مقابلہ میں آخر ادب ہی کی ترجیح
ہوئی تو دین میں اُس کو کس قدر باوقعت اور ضروری چیز سمجھنا چاہیے-

شد ادب جملہ طاعت محمود طاعت بے ادب ندارد سود

ترجمہ : ادب سراپا قابلِ تعریف عبادت ہے- بغیر ادب کے عبادت کا کچھ فائدہ نہیں-

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نمازِ عصر کو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت کے باعث قضا کرنا

شفا قاضی عیاض میں مروی ہے کہ جنگ خیبر کی واپسی میں منزلِ صہبا پر
رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے نمازِ عصر ادا فرمائی- اور حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ
تَعَالٰی عنہ جماعت میں شامل نہ ہوسکے تو آپ نے اُسی وقت حضرت علی کرم اللہ
وجہہ کے زانوئے مبارک پر سر رکھ کر آرام فرمایا- چونکہ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی
عنہ نے نمازِ عصر نہیں پڑھی تھی اس لئے اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے کہ نمازِ عصر
کا وقت گزر رہا ہے جو سب نمازوں سے افضل ہے اور جس کی تاکید قرآن مجید نے
بتکرار عطف فرمائی- حَافِظُوۡا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی (سورہ
بقر رکوع ۳۱) یعنی حفاظت کرو اور نگاہ رکھو تم نمازوں کو اور نماز وسطیٰ یعنی نماز عصر
کو-

خندق کے دن خود رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے نماز عصر کے
فوت ہو جانے پر کفار کے خلاف یہ دعاء فرمائی- حَبَسُوۡنَا عَنۡ صَلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی
صَلٰوۃِ الۡعَصۡرِ مَلَأَ اللّٰہُ بُیُوۡتَھُمۡ وَقُبُوۡرَھُمۡ نَارًا یعنی ان کفار نے ہم کو
نماز وسطیٰ یعنی نمازِ عصر سے روکا- اللہ تعالیٰ اُن کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر

دے-

باوجود اتنی تاکید کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عمداً نماز عصر کو ترک
کیا محض اس خیال سے کہ اگر میں اپنا زانو ہلاؤں گا تو حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام
بیدار ہو جائیں گے- اور آپ کے خواب میں خلل آ جائے گا- لہٰذا آپ نے محض
حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت کے باعث زانو کو نہ ہلایا حتیٰ کہ آفتاب
غروب ہو گیا- اور نمازِ عصر کا وقت جاتا رہا- مگر جب حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام بیدار
ہوئے- تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نماز کے فوت ہو جانے کا حال عرض کیا-
حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام نے دعا فرمائی کہ یا الہ العالمین! اگر علی تیری اطاعت میں تھا
تو پھر آفتاب کو طلوع کر دے- پس اُسی وقت ڈوبا ہوا آفتاب پلٹ آیا- حضرت علی
کرم اللہ وجہہ نے نہایت تسکین کے ساتھ نماز عصر ادا کی- پھر آفتاب حسب معمول
غروب ہو گیا-

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فُرُوۡع ہیں اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

الغرض اِطاعت و فرمانبرداری رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی ہر امر
میں واجب و لازم ہے- جس نے تصدیق رسالت کی، مگر اتباع و اطاعت رسول اللہ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نہ کی، وہ گمراہ ہے-

اس حدیث کو روایت کیا طحاوی نے مشکل الآثار میں دو طریق سے ایک
روایت اسماء بنت عمیس سے دوسری فاطمہ بنت حسین سے، قاضی عیاض نے شفا میں،
سیوطی نے الدرالمنتثرۃ فی الاحادیث المشتہرہ میں، اور حافظ ابن سیدناس نے بشری
اللبیب میں- اور اس حدیث کے دونوں طریق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ۱۱۴۴
ہجری میں مدینہ منورہ میں اپنے اُستاد شیخ ابو طاہر سے مسلسل فاطمہ بنت حسین تک
اور اسماء بنت عمیس تک ازالہ الخفاء میں نقل کئے ہیں-

ازالہ الخفاء میں ہے کہ ابنِ جوزی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے لیکن

اس کے جواب میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں لکھا ہے، کہ ابن جوزی حدیثوں کے موضوع کہنے میں بہت جلدی کرنے والے ہیں—— بہرکیف یہ حدیث صحیح ہے۔

صواعق میں ہے کہ عراق کی ایک جماعت مشائخ ابو المنصور مظفر بن اردشیر قناوی رَحمۃ اللہ عَلَیہِ کے وعظ میں حاضر تھی۔ جبکہ وہ نمازِ عصر کے بعد وعظ فرما رہے تھے اور یہی حدیث اور اہل بیت کے فضائل بیان کر رہے تھے، کہ یکایک ابر آیا، اور آفتاب چھپ گیا لوگوں نے گمان کیا کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ پس آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر آفتاب کو اشارہ کیا اور تین اشعار پڑھے۔ جن کا مطلب یہ ہے۔

کر رہا ہوں میں بتوفیقِ خدا نعت و مدحِ مصطفیٰ و مرتضیٰ
تُو نہ ڈوب اے شمس تاباں پُر ضیا سُن لے تو بھی وصف آلِ مصطفیٰ

وہ جماعت حاضرین کہتی ہے کہ اُسی وقت ڈوبا ہوا آفتاب پھر نکل آیا۔

اولیاء راہست قدرت از الٰہ تیر جستہ باز گردانند زراہ

ترجمہ: اولیائے کرام کو اللہ تعَالیٰ کی طرف سے یہ قدرت مرحمت ہوتی ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو رستے ہی سے واپس کر دیتے ہیں۔

حضرات قباث، عثمان و عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کا ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

بیہقی نے دلائل النبوت میں ابی الحویرث رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ عبدالملک بن مروان نے قباث بن اشیم رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ سے پوچھا کہ تم اکبر ہو یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّمْ اکبر تھے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْبَرُ مِنِّیْ وَاَنَا اَسَنُّ مِنْہُ اُنہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّمْ مجھ سے بڑے تھے۔ اور میں عمر میں اُن سے زیادہ ہوں۔

اس لئے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّمْ کی ولادتِ شریف عام فیل میں ہے اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میری والدہ صاحبہ اُسی ہاتھی کی لید کے پاس مجھے لے کر کھڑی تھیں۔

عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ نے بھی انہیں قباث رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ سے اسی قسم کا سوال کیا تھا اور انہوں نے اُن کو بھی یہی جواب دیا تھا کہ حضور عَلَیہِ الصلوۃ وَالسلام اکبر تھے اور میری ولادت پیشتر ہے۔ (بیہقی)

عباس رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ سے بھی اسی قسم کا سوال ہوا تھا۔ آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ حضور عَلَیہِ الصلوۃ وَالسلام اکبر تھے اور میری ولادت پیشتر ہے۔ (کنزالعمال)

کنزالعمال میں یزید بن الاصم رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّمْ نے ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ سے استفسار فرمایا کہ میں بڑا ہوں یا تم۔ عرض کیا، کہ آپ اکبر ہیں اور اکرم ہیں اور میری عمر زیادہ ہے۔

اس ادب کو دیکھئے کہ باوجودیکہ اس موقع میں لفظ اکبر اور اسن دونوں کے ایک ہی معنی ہیں مگر اس لحاظ سے کہ لفظ اکبر مطلق بزرگی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے—— صراحتاً اُس کی نفی کر دی۔ اور مجبوراً لفظ اَسَنّ کو ذکر کیا، کیونکہ صراحتاً مقصود پر دلالت کرنے والا سوائے اس کے کوئی لفظ نہ تھا۔ جب حضرت صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عنہ کا ادب میں یہ حال ہو تو پھر ہم کو کس قدر ادب کا لحاظ رکھنا چاہئے مگر افسوس ہے آج کل کے بعض بے ادب اور گستاخ فرقوں پر جو شب و روز آیات و حدیث سے کرید کرید کر من گھڑت معانی بنا کر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّمْ کی تنقیصِ شان کرتے ہیں۔ اللہ تعَالیٰ ان بے ادبوں کو رشد و ہدایت بخشے، تاکہ وہ بے ادبی اور گستاخی کے باعث دوزخ کا ایندھن بننے سے محفوظ رہیں۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

ترجمہ : ہم اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے محروم رہ جاتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا طریقِ ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ابو داؤد میں عبد بن فیروز رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ براء بن عازب رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے میں نے پوچھا کہ کن جانوروں کی قربانی درست نہیں۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ ہم لوگوں میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ چار قسم کے جانور ہیں جن کی قربانی درست نہیں۔ ایک وہ جس کی آنکھ پھوٹی ہو، دوسرا وہ جو سخت بیمار ہو، تیسرا وہ جس کا لنگ ظاہر ہو، چوتھا وہ جو نہایت دُبلا ہو۔ اُس کو آپ نے اپنی انگلیوں کے اشارے سے تشریح فرمائی۔ لیکن میری انگلیاں حضرت کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے خطبہ میں پہلے دست مبارک کے اشارہ سے تعیین فرما دیا کہ چار جانور ہیں جن کی قربانی درست نہیں۔ پھر اُن کی تفصیل کی۔ براء بن عازب رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے جب اس واقعہ کو بیان کیا تو ادب نے اجازت نہ دی کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے دست مبارک کی حکایت اپنے ہاتھ سے کی جائے، لہٰذا عذر ظاہر کیا کہ میری انگلیاں چھوٹی ہیں جن کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی انگلیوں کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چار کا اِشارہ ہاتھ سے کرنے میں مقصود صرف تعیین عدد ہے—— ظاہراً نہ اس میں کوئی مساوات کا شائبہ ہے، نہ سوء ادب کا۔ باوجود اس کے ادبِ صحابیت نے دستِ مبارک کی حکایت کو بھی گوارا نہ کیا، جس سے تشبیہہ لازم آ جاتی تھی۔ اب دوسرے آداب کو اسی پر قیاس کر لینا

چاہئے۔

افسوس ان لوگوں کے حال پر جو باوجود مدعیِ علم ہونے کے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی شان میں بے ادبی کے کلمات کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں فہم سلیم عطا فرمائے تاکہ وہ عذابِ اخروی سے بچ جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا طریقِ ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صحیح بخاری میں ابو رافع رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ابو ہریرہ رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو مدینہ منورہ کے کسی راستہ میں دیکھا۔ چونکہ میں جنبی تھا، اس لئے میں چھپ گیا۔ پھر غسل کر کے حاضر خدمت اقدس ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابو ہریرہ! تم کہاں تھے، عرض کیا کہ مجھے نہانے کی ضرورت تھی۔ اس لئے میں نے آپ کے ساتھ بغیر طہارت کے بیٹھنے کو مکروہ سمجھا۔ فرمایا۔ سُبۡحَانَ اللّٰہِ اِنَّ الۡمُؤۡمِنَ لَا یَنۡجُسُ یعنی پاک ہے اللہ تعالیٰ، مسلمان نجس نہیں ہوتا۔

دیکھئے، ابو ہریرہ رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ اس حالت میں جو الگ ہو گئے، تو اس سے ظاہر ہے کہ حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کی کمال درجہ کی عظمت اُن کے دل میں موجود تھی، جس نے اُن کی عقل کو مقہور کر کے ان کے دل کو اس ادب پر مجبور کر دیا تھا ورنہ وہ جانتے تھے کہ جنابت کا جسم میں سرایت کرنا ایک امرِ حکمی ہے—— حسی نہیں جس سے دوسرے کو کراہت ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اُس کا اثر دوسرے تک متعدی نہیں ہو سکتا۔

ہر چند رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے مسئلۂ شرعیہ بیان فرما دیا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا، مگر کلام اس میں ہے کہ اس حالت میں حاضر ہونے کو اُنہیں

کونسی چیز مانع تھی۔ اگر نعوذ باللہ طبیعت میں بے باکی ہوتی تو خیال کر لیتے کہ اس حالت میں مجالست سے کوئی ممانعت نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی خیال آسکتا تھا کہ چل کر تو دیکھئے کہ اگر حضور منع فرمائیں گے تو ایک مسئلہ معلوم ہو جائے گا، خصوصاً اُس زمانہ میں کہ ہر روز نئے نئے مسائل معلوم ہونے کی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ دراصل بات یہ ہے کہ ادب نے اُن کو جرأت کرنے نہ دی۔

پھر حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام نے جو مسئلہ بیان فرمایا، اُس سے یہی مقصود معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسئلۂ شرعیہ معلوم ہو جائے۔ علاوہ اس کے اگر ان کی یہ حرکت ناگوارِ طبعِ مبارک ہوتی زجر و توبیخ فرما دیتے—— خلاصہ یہ ہے کہ وہ محض رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ادب کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکے۔

حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ، کا ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

زرقانی نے شرح مواہب اللدنیہ میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ اسلع بن شریک رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی اونٹنی پر میں کجاوہ باندھا کرتا تھا۔ ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہوئی۔ اور حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام نے کوچ کا ارادہ فرمایا۔ اُس وقت مجھے نہایت تردد ہوا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے نہاؤں تو مارے سردی کے مرجانے یا بیمار ہو جانے کا خوف ہے اور یہ بھی گوارا نہیں کہ ایسی حالت میں خاص سواری مبارک کا کجاوہ اونٹنی پر باندھوں۔ مجبوراً کسی شخص انصاری سے کہہ دیا کہ کجاوہ باندھے۔ پھر میں نے چند پتھر رکھ کے پانی گرم کیا اور نہا کر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اور صحابہ کرام سے جاملا۔ حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام نے فرمایا، اے اسلع! کیا سبب ہے کہ تمہارے کجاوہ کو میں متغیر پاتا ہوں۔ عرض کیا، یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم میں نے نہیں باندھا تھا۔ فرمایا

کیوں؟ عرض کیا۔ اس وقت مجھے نہانے کی حاجت تھی۔ اور ٹھنڈے پانی سے نہانے میں جان کا خوف تھا، اس لئے کسی اور کو باندھنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ اسلع رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوةِ الایہ (سورہ مائدہ رکوع ۲) جس سے سفر میں تیمم کرنے کی اجازت ملی (درمنثور وطبرانی وغیرہ)

سبحان اللہ کیا ادب تھا، کہ جس کجاوہ میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم تشریف رکھتے تھے، اُس کی لکڑیوں کو حالت جنابت میں ہاتھ لگانا بھی گوارا نہ تھا۔ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو اس کا منشا محض ایمان دکھلائی دے گا۔ جس نے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا کر دیئے تھے—— ورنہ ظاہر ہے کہ نہ عموماً اس قسم کے امور کی تعلیم تھی نہ صراحتاً ترغیب و تحریص۔

الحاصل جب ان لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء کا جس قدر بھی ادب کیا جائے محمود ہے۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ، کا طریقِ ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضرت مصعب بن عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عنہ کو دیکھا کہ آپ نہایت ہی ہنس مکھ تھے۔ مگر جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا ذکر ان کے روبرو کیا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ اور میں نے اُنہیں کبھی بلاوضو حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا۔

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ، کا طریقِ ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضرت مصعب بن عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک بن انس رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عنہ جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا ذکر

کرتے یا اُن کے پاس حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کا ذکر کیا جاتا، تو اُن کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا اور نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کی تعظیم کے باعث جھک جاتے۔ یہاں تک کہ اُن کے ہمنشینوں پر گراں گزرتا۔ پس آپ سے ایک دن اُس کا باعث دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ لَوْرَأَیْتُمْ مَارَأَیْتُ لَمَا اَنْکَرْتُمْ عَلٰی مَاتَرَوْنَ یعنی حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کی رفعت شان اور عظمت مکان جو میں جانتا ہوں اگر تم اسے جانتے تو ہرگز تم اپنے دیکھے ہوئے پر انکار نہ کرتے۔

نمیدانم کدامیں نو بہار جلوہ مے آید   کہ در پرواز آمد رنگ رو گلہائے بستانرا

ترجمہ: معلوم نہیں کون سا نو بہار باغ میں جلوہ کناں ہے کہ باغ کے پھولوں کے رخوں کا رنگ اُڑ گیا ہے۔

حضرت مصعب بن عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ امام مالک بن انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ جب حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کی کوئی حدیث بیان فرماتے تو پہلے وضو کرتے، پھر کپڑے وغیرہ پہن کر آراستہ ہوتے، پھر حدیث شریف بیان کرتے۔ اور جب کوئی شخص دروازے پر آتا تو لونڈی بھیج کر دریافت فرماتے۔ کہ تم کیوں آئے ہو؟ کوئی حدیث پوچھنے آئے ہو یا مسائل فقہ؟ اگر وہ کہتا کہ مسائل فقہ پوچھنے آیا ہوں تو آپ اُسی حالت میں باہر آکر اُسے مسئلہ بتلا دیتے اور اگر وہ کہتا کہ حدیث پوچھنے آیا ہوں تو آپ غسل خانے میں جا کر غسل فرماتے۔ اور نئے کپڑے پہنتے، خوشبو لگاتے، عمامہ باندھتے، سبز چادر اوڑھتے اور ان کے واسطے خاص اس وقت کے لئے ایک کرسی بچھائی جاتی، پس آپ آکر اُس پر بیٹھتے اور نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ حدیث بیان فرماتے اور جب تک حدیث بیان کرتے رہتے خوشبو سلگتی رہتی۔

عبداللہ بن مبارک رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن امام مالک رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا اور آپ حدیث شریف بیان فرما رہے

تھے کہ آپ کو بچھو نے سولہ بار کاٹا، اور آپ کے چہرہ کا رنگ زرد ہو گیا، مگر آپ نے نبیٔ کریم عَلَیْہِ الصلوۃ والتسلیم کی حدیث کا بیان کرنا نہ چھوڑا۔ جب آپ حدیث ختم کر چکے اور لوگ چلے گئے تو میں نے دریافت کیا فرمایا کہ آج میرے حدیث بیان کرنے میں بچھو نے سولہ بار کاٹا اور میں نے حدیث کی عظمت و اجلال کے باعث صبر کیا۔

سبحان اللہ! ان حضرات کے دلوں میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کا کیسا احترام جاگزین تھا کہ سولہ بار بچھو کاٹے اور اُف نہ کریں۔ جان جائے، مگر نبیٔ کریم عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کی توقیر میں خلل نہ آئے، بخلاف آج کل کے بعض مدعیانِ علم کے کہ وہ عمداً رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کی تنقیصِ شان کرتے ہیں۔ اللہ تَعَالٰی ان کو ہدایت بخشے۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا طریقِ ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حدیث صحیح میں مروی ہے کہ حضرت ابو محذورہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ کی پیشانی میں بال اس قدر دراز تھے کہ جب وہ بیٹھتے اور اُن بالوں کو چھوڑ دیتے، تو زمین پر پہنچتے۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا، کہ تم نے ان بالوں کو اتنا کیوں بڑھایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اس وجہ سے ان کو نہیں کٹواتا کہ ایک وقت ان پر حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کا دست مبارک لگا تھا، اس لئے میں نے تبرکاً ان بالوں کو رکھا ہوا ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا طریقِ ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حدیث پاک میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ کی ٹوپی

میں حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کے چند موئے مبارک تبرکاً تھے۔ ایک جنگ میں آپ کی وہ ٹوپی گر پڑی۔ آپ نے اُس کے حصول کے واسطے سخت جنگ کی، حتیٰ کہ چند مسلمان بھی اُس میں شہید ہوگئے۔ صحابہ کرام نے ان کو الزام دیا۔ حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے کہاکہ میں نے یہ فعل ٹوپی کے واسطے نہیں کیا، بلکہ اُن موئے مبارک کے واسطے کیا، جو اس میں ہیں تاکہ وہ ضائع نہ ہوں۔ اور کفار کے ہاتھ میں نہ جانے پائیں۔ اور مجھ سے اس کی برکت جاتی نہ رہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا طریقِ ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علامہ سیوطی رَحمۃ اللہ عَلَیۡہِ نے تاریخ الخلفاء میں حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ کے حال میں لکھا ہے وَكَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنْ شَعْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُلَامَةُ أَظْفَارِهِ فَأَوْصَى أَنْ تُجْعَلَ فِي فَمِهِ وَعَيْنَيْهِ وَقَالَ افْعَلُوا ذٰلِكَ وَخَلُّوا بَيْنِي وَبَيْنَ أَرْحَمِ الرَّاحِمِيْنَ۔ یعنی امیر معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ کے پاس جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّمَ کے کچھ موئے مبارک اور تراشۂ ناخن محفوظ تھے۔ جب وہ مرنے لگے تو وصیت کی، کہ یہ چیزیں میرے مُنہ اور آنکھوں میں رکھ دینا اور پھر میرا معاملہ ارحم الراحمین کے سپرد کردینا"۔ اس سے ظاہر ہے کہ امیر معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ نے ان متبرک چیزوں کو خدائے تَعَالٰی کے حضور میں جاتے وقت اپنی تقصیروں کی معافی کا ذریعہ قرار دیا۔ اور امید کامل باندھ لی کہ ان کی بدولت میری مغفرت ہو جائے گی۔ سبحان اللہ یہ تھا ادبِ رسول اور کمالِ عقیدہ سچے مسلمانوں کا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا طریقِ ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ کو دیکھا کہ اُنہوں

نے اپنے ہاتھ کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّمَ کے بیٹھنے کی جگہ پر رکھا۔ پھر اُس کو اپنے مُنہ پر ملا۔

مستدرک حاکم میں عبداللہ بن بریدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم لوگ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عظمت کے لحاظ سے کوئی شخص حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کی طرف سر نہ اُٹھاتا۔

حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کے روبرو تو اس قسم کا ادب ہوتا ہی تھا لیکن وہ حضرات جب حدیث شریف کے حلقوں میں بیٹھتے تھے تو اس خشوع و خضوع کے ساتھ سر جھکائے بیٹھتے تھے گویاکہ گردنوں پر سر ہی نہیں۔ چنانچہ مستدرک میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن قرط رَحمۃ اللہ عَلَیۡہِ کہتے ہیں کہ ایک بار میں مسجد میں گیا دیکھا، کہ ایک حلقہ میں لوگ ایسے سر جھکائے بیٹھے ہیں کہ گویا اُن کی گردنوں پر سر ہی نہیں یعنی سب لوگ حدیث شریف سننے والے کچھ ایسے مؤدبانہ سر جھکائے بیٹھے تھے، کہ گردنوں پر سر نہیں دکھائی دیتے تھے۔ اور ایک صاحب حدیث شریف بیان کر رہے تھے جب غور سے ان کو دیکھاتو معلوم ہوا کہ وہ حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ ہیں۔

اب ذرا زمانہ کے اِنقلاب اور طبیعتوں کی رفتار کو دیکھنا چاہیے کہ بعد خیرالقرون نے لوگوں کو ان حضرات کے مسلک سے کس قدر دور کر دیا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ معاملہ بالکل بالعکس ہو گیا ہے۔ اُس زمانہ میں حالانکہ ان امور کی تعلیم عموماً نہ تھی، مگر دل ہی کچھ ایسے مہذب اور مؤدب تھے کہ قسم قسم کے آداب اور طرح طرح کے حُسنِ عقیدت پر دلالت کرنے والے افعال خودبخود ان سے ظہور پاتے تھے اور وہ ان کو اصولِ شرعیہ پر منطبق کردیتے تھے جس کا سمجھنا بھی شاید اِس زمانہ میں بآسانی نہ ہوسکے۔ کیوں نہ ہو، ان حضرات کے دل وہ تھے، جن کو تمام بندوں کے دلوں پر فضیلت ہونے کی وجہ سے اللہ تَعَالٰی نے صحابیت

کے واسطے منتخب فرمایا تھا۔ چنانچہ دیلمی نے انس رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے اللہ تَعَالٰی نے تمام بندوں کے دلوں کو دیکھا، تو میرے اصحاب کے دلوں سے پاکیزہ تر کوئی دل نہ پایا۔ اسی واسطے اُن کو میرے اصحاب ہونے کے لئے پسند فرمایا۔ جو کام وہ اچھا سمجھتے ہیں اللہ کے نزدیک بھی وہ اچھا ہے۔ اور جس کو وہ بُرا جانتے ہیں، اللہ کے نزدیک بھی وہ بُرا ہے۔

غرض وہ ہر قسم کے آداب کے سب سے اعلیٰ مظہر تھے۔ اور اُن پر کوئی اعتراض بھی نہ کرتا تھا اس لئے کہ اُس وقت تک بے ادبی کی بنیاد نہ پڑی تھی۔ اور اگر چند خودسروں نے بنیاد ڈالی بھی تھی تو اس وجہ سے کہ اُن کی بداعتقادیوں نے ان کو دائرۂ اتباع سے خارج اور دوسرے نام کے ساتھ مشتہر کردیا تھا۔ اُن کی باتیں کسی کی سمع قبول تک پہنچی ہی نہ تھیں۔

الحاصل خیرالقرون کا یہ حال تھا کہ ہر قسم کے آداب کی بنیاد رکھی جاتی تھی۔ اور اس آخری زمانہ کا حال یہ ہے کہ باوجودیکہ ان حضرات نے جن کا اتباع بحسبِ ارشادِ شارع علیہ السلام ضروری ہے۔ طرح طرح کے آداب تعلیم کر گئے اگر کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہو جائیں تو ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگتی ہے۔ اور صرف اعتراض ہی نہیں بلکہ شرک کے الزام تک نوبت پہنچادی جاتی ہے۔ اللہ تَعَالٰی مسلمانوں کو ادب نصیب کرے۔

از خُدا خواہیم توفیقِ ادب   بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

ترجمہ: ہم اللہ تَعَالٰی سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب اللہ تَعَالٰی کی مہربانی سے محروم رہ جاتا ہے۔

حضرت رسولِ کریم اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی تعظیم و تکریم کا زندگی میں اور بعد وصال یکساں واجب ہونا

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی تعظیم و تکریم کرنی جیسی آپ کی زندگی میں واجب لازم ہے، ویسے ہی آپ کے وصال کے بعد بھی واجب و لازم ہے—— چنانچہ حدیث شریف میں ہے:- عَنۡ اَبِیۡ بَکۡرِ الصِّدِّیۡقِ قَالَ لَا یَنۡبَغِیۡ رَفۡعُ الصَّوۡتِ عَلٰی نَبِیٍّ حَیًّا وَّلَا مَیِّتًا یعنی ابوبکرصدیق رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عنہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے حضور میں آواز کو بلند کرنا نہیں چاہئے، نہ زندگی میں اور نہ ہی وصال کے بعد۔

روضۂ مبارک کے قریب میخ گاڑنے پر اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عنہا کا حکم:

رُوِیَ عَنۡ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتۡ تَسۡمَعُ صَوۡتَ وَتَدٍ یُّوۡتَدُ وَالۡمِسۡمَارُ یُضۡرَبُ فِیۡ بَعۡضِ الدُّوۡرِ الۡمُتَّصِلَةِ بِمَسۡجِدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ فَتُرۡسِلُ اِلَیۡهِمۡ لَا تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ یعنی عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عنہا سے مروی ہے کہ وہ اس کھونٹی کی آواز جو مسجد نبوی کے اردگرد گھروں میں گاڑی جاتی تھی۔ اور اس میخ کی آواز جو ٹھونکی جاتی تھی، سنتی تھیں۔ اُنھوں نے ان گھروں کے پاس کہلا بھیجا کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو اذیت نہ دو۔

رُوِیَ وَمَا عَمِلَ عَلِیٌّ مِصۡرَاعَیۡ بَابِهٖ بِالۡمَنَاصِعِ اِلَّا تَوَقِّیًا لِذٰلِكَ وَتَاَدُّبًا مَّعَهٗ یعنی حضرت علی رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عنہ نے اپنے دروازے کے

کواڑ اس وعید سے بچنے کے لئے اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے پاس ادب کی خاطر کپڑے کے بنائے ہوئے تھے۔

مسجد نبوی میں چلّا کر بولنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعزیری حکم

مسجدِ نبوی میں اونچی بولنا ممنوع ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عنہ نے مسجد نبوی میں بلند آواز کرنے والوں کو تنبیہہ کی اور ڈانٹا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

عَنِ السَّآئِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ کُنْتُ قَآئِمًا فِی الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِیْ رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَاِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَائْتِنِیْ بِهٰذَیْنِ فَجِئْتُ بِهِمَا قَالَ مَنْ اَنْتُمَا اَوْمِنْ اَیْنَ اَنْتُمَا قَالَا مِنْ اَهْلِ الطَّآئِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ اَهْلِ الْبَلَدِ لَاَوْجَعْتُكُمْ تَرْفَعَانِ اَصْوَاتَكُمَا فِیْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

یعنی صحیح بخاری میں سائب بن یزید رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں ایک بار مسجد نبوی میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھے کنکری ماری۔ دیکھا تو عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عنہ ہیں۔ کہا جاؤ اور ان دو شخصوں کو لے آؤ جب ان دونوں کو میں ان کے پاس لے گیا تو پوچھا تم کون ہو؟ یا کہاں سے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم طائف کے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس شہر سے ہوتے تو میں تم کو ضرور اذیت پہنچاتا اور مارتا۔ اس واسطے کہ تم مسجد نبوی میں آواز بلند کرتے ہو۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مسجد نبوی میں کوئی شخص آواز بلند نہیں کرسکتا تھا۔ اور اگر کوئی کرتا بھی تو مستحق تعزیر سمجھا جاتا تھا، باوجودیکہ سائب بن یزید رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عنہ چنداں دُور نہ تھے، مگر اسی ادب سے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عنہ نے اُن کو پکارا نہیں، بلکہ کنکری پھینک کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ تمام ادب اسی وجہ سے تھے کہ حضور عَلَیْہِ الصلوٰۃ وَالسلام وہاں بحیاتِ ابدی تشریف رکھتے ہیں، کیونکہ اگر لحاظ صرف مسجد ہونے کا ہوتا تو فِیْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس تعزیر کو اہل شہر کے لئے خاص فرمایا جن کو مسجد شریف کے آداب بخوبی معلوم تھے —— اگر صرف مسجد ہی کا لحاظ ہوتا تو اہلِ طائف بھی معذور نہ رکھے جاتے، کیونکہ آخر وہاں بھی مسجدیں تھیں۔

امام مالک رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کا خلیفہ ابو جعفر کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چلّا کر بولنے پر ڈانٹنا

امام مالک رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ نے خلیفۂ وقت ابو جعفر کو مسجد نبوی میں اُن کے باآوازِ بلند بولنے پر ڈانٹا، چنانچہ درمنظم میں ابن حجر ہیثمی اور شفا میں قاضی عیاض رَحمۃ اللہ علیہما نے بہ سند متصل روایت کی ہے:۔

عَنِ ابْنِ حَمِیْدٍ قَالَ نَاظَرَ اَبُوْ جَعْفَرٍ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَالِكًا فِیْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ یَآ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ فِیْ هٰذَا الْمَسْجِدِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَدَّبَ قَوْمًا فَقَالَ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَمَدَحَ قَوْمًا

فَقَالَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَلْاٰيَةَ وَذَمَّ قَوْمًا فَقَالَ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ- وَاِنَّ حُرْمَتَهٗ مَيِّتًا كَحُرْمَتِهٖ حَيًّا فَاسْتَكَانَ لَهَا اَبُوْ جَعْفَرٍ وَّقَالَ يَآ اَبَاعَبْدِ اللّٰهِ اَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَاَدْعُوْ اَمْ اَسْتَقْبِلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِمَ تُصْرِفُ وَجْهَكَ عَنْهُ وَهُوَ وَسِيْلَتُكَ وَ وَسِيْلَةُ اَبِيْكَ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بَلِ اسْتَقْبِلْهُ وَاسْتَشْفِعْ بِهٖ فَيُشَفِّعُكَ اللّٰهُ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَلَهُمُ الرَّسُوْلُ اَلْاٰيَةَ

یعنی امیرالمومنین ابو جعفر منصور نے جو خلفائے عباسیہ سے دوسرے خلیفہ ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مسجد نبوی میں کسی مسئلہ میں مباحثہ کیا، جس میں اُن کی آواز کچھ بلند ہوگئی- اس پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، اے امیر المومنین! اس مسجد میں آواز بلند نہ کیجئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تادیب کی ایک قوم کی اس آیت شریف میں، يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ یعنی اے مسلمانو! اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند نہ کرو- یعنی میرے حبیب کے دربار میں اپنی آواز بلند نہ کرو"- اور مدح کی اُن لوگوں کی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آواز پست کیا کرتے تھے، چنانچہ ارشاد فرمایا سورہ حجرات رکوع ۱ میں اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى- لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ- یعنی جو لوگ دبی آواز سے بولا کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

پاس وہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جانچ لیا ہے ان کے دلوں کو پرہیزگاری کے لئے- ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے"- اور مذمت کی اُس قوم کی جو حجرہ کے باہر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکارتے تھے، چنانچہ اسی سورۃ میں فرمایا- اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ یعنی "اور جو لوگ کہ تجھ کو حجروں کے باہر پکارتے ہیں وہ اکثر بیوقوف ہیں- اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو اُن کی طرف ازخود نکلتا تو اُن کے حق میں بہتر تھا"- اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حُرمت وصال کے بعد بھی وہی ہے جو قبل وصال کے تھی- امیرالمومنین یہ سُنتے ہی متادب اور متذلل ہو گئے- پھر پوچھا "اے ابو عبداللہ! قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کروں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہوں- آپ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے کیوں منہ پھیرتے ہو؟ وہ تو وسیلہ ہیں آپ کے اور آپ کے باپ آدم علیہ السلام کے قیامت کے روز تو حضرت کی طرف متوجہ ہو کر شفاعت و سفارش طلب کیجئے، کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت قبول کرے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے- وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ یعنی اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا، تو تیرے پاس آ جاتے، پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول اُن کے واسطے معافی چاہتا تو ضرور پاتے اللہ کو توبہ کرنے والا مہربان-

یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ مراتبِ تعظیم اور آدابِ رسالت کا لحاظ رکھیں گے، وہی اس وعدے میں داخل ہیں، برخلاف ان کے جو بے ادبی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں بولتے ہیں کہ ان کے نیک عمل بھی ضائع ہو جاتے ہیں-

مسلمانو! ان بزرگوں کے اعتقادوں کو دیکھئے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے

آواز بلند کرنے کے باب میں ان آیات پر استدلال کیا- یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡٓا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ اور اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ- اور خلیفہ وقت نے پوچھا تک نہیں کہ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ اور یُنَادُوۡنَکَ کے معنی یہاں کیونکر صادق آتے ہیں- اور اگر اجتہاد کیا گیا تو اس کا طریقہ کیا ہے- پھر یہ بھی نہ تھا کہ خلیفہ موصوف کچھ جاہل تھا، بلکہ وہ نہایت کامل العقل، عالمِ جید اور ادیب اور متدین تھا، مگر معلوم نہیں، اس استدلال میں کس درجہ کی قوت تھی، جس نے خلیفۂ وقت کو عین مباحثہ میں ساکت کر دیا- اگر اس زمانہ میں کوئی شخص اس قسم کا استدلال کرے تو اس پر سینکڑوں اعتراض کیئے جائیں گے- علیٰ ہٰذا اگر کوئی شخص اس استدلال کی نزاکت کو نہ سمجھ کر اُس میں کچھ کلام کرے تو وہ کونسا مسلمان ہوگا، جو معترض کی رائے کو امام مالک کی رائے پر ترجیح دے گا، کیونکہ امام مالک رَحمۃ اللہ عَلَیۡہِ وہ شخص ہیں کہ جن کے شاگردوں کے شاگرد ہونے پر امام بخاری اور مسلم وغیرہ محدثین کو فخر حاصل ہے- غرض اس استدلال پر حجت کرنے والا جاہل مطلق اور علم سے بے بہرہ ہے-

مسلمانو! امام مالک رَحمۃ اللہ عَلَیۡہِ نے ان آیات سے وہ ادب استنباط کیا کہ اس کی بدولت قیامت تک اہل ایمان بہرہ اندوز اور متمتع رہیں گے- جَزَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنَّا خَیۡرَ الۡجَزَآءِ

صحابہ کرام حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کے نام مبارک کے ساتھ بِاَبِیۡ کہتے :

بخاری شریف میں ام المومنین حفصہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہا سے مروی ہے کہ ام عطیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہا کی عادت تھی کہ جب کبھی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کا ذکر مبارک کرتیں تو بِاَبِیۡ کہتیں چنانچہ اُم المومنین فرماتی ہیں- وَقَلَّمَا ذَکَرَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَتۡ بِاَبِیۡ یعنی کم اتفاق ہوتا تھا کہ

ذکر شریف کے وقت یہ لفظ نہ کہتی ہوں- معنی اس کے یہ ہیں کہ میرے باپ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ پر سے فدا ہوں-

صحابہ کرام اکثر بِاَبِیۡ اَنۡتَ وَاُمِّیۡ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ کہا کرتے تھے چنانچہ کتبِ اَحادیث میں موجود ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ کے اَشۡفاق و مَراحِم کے روبرو مہرِمادری اور شفقتِ پدری کی کچھ حقیقت نہیں- ان دونو کو آپ پر سے فدا کرنا چاہیئے-

سبحان اللہ کیا ادب تھا کہ روبرو تو روبرو غائبانۂ وِصالِ شریف کے بعد بھی وہ ادب مرعی تھا کہ جب تک ماں باپ کو فدا نہیں کرتے نام مبارک کو ذکر نہیں کرتے تھے-

آپ کے نامِ مُبارک کاادب کافر بھی کرتے تھے :

کیوں نہ ہو—— یہ نام مبارک وہ تھا کہ جس کے ذکر میں کفار بھی بسا اوقات مُتأدِّب ہو جاتے تھے چنانچہ قسطلانی رَحمۃ اللہ عَلَیۡہِ نے مواہب اللدنیہ میں اور زرقانی رَحمۃ اللہ عَلَیۡہِ نے شرح مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے کہ ایک جماعت قبیلہ کندہ سے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور وہ الفاظِ تَحِیَّت کے ادا کیئے، جو اس زمانہ میں سلاطین کے حضور میں کہے جاتے تھے- حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام نے فرمایا کہ میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ محمد بن عبداللہ ہوں- اُنھوں نے کہا- ہم آپ کو نام لے کر نہیں پکاریں گے- آپ نے فرمایا، کہ میں ابو القاسم ہوں- اس پر اُنھوں نے کہا کہ اے ابو القاسم فرمایئے کہ ہم نے اپنے دل میں کیا چھپایا ہے- حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام نے فرمایا یہ تو کاہنوں کا کام ہے اور کاہن اور ان کا پیشہ دوزخی ہے- انہوں نے کہا کہ پھر کیونکر معلوم ہو کہ آپ اللہ تَعَالٰی کے رسول ہیں- تب آپ نے ایک مٹھی کنکریاں اُٹھائیں اور فرمایا کہ دیکھو، یہ گواہی دیتی ہیں کہ میں اللہ تَعَالٰی کا رسول ہوں- چنانچہ اُسی وقت کنکریاں

دستِ مُبارک میں تسبیح کرنے لگیں- یہ سُن کر حاضرین نے صدقِ دل سے کلمہ
شہادت پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ تعَالیٰ
کے رسول ہیں، اور وہ سب لوگ مشرف باسلام ہوئے-

ظاہر ہے کہ یہ لوگ قبلِ امتحان مشرف باسلام نہیں تھے باوجود اس کے نام
مبارک لینے میں ترکِ ادب سمجھا- کیا تعجب ہے کہ اللہ تعَالیٰ کو یہی ادب پسند آگیا
ہو، جس سے ان کو ابدالآباد کے لئے عزت و شرافت حاصل ہوگئی، کہ مسلمان ہو کر
جنت الفردوس میں داخل ہوئے-

امام مالک رَحمۃ اللہ عَلَیہِ کا طریقِ ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رَحمۃ اللہ عَلَیہِ جذبُ القلوب میں اِرْقام فرماتے ہیں
کہ امام مالک رَحمۃ اللہ عَلَیہِ مدینہ طیبہ میں اپنے گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ
فرماتے تھے کہ مجھ کو شرم آتی ہے کہ میں اُس زمین کو گھوڑے کے سم سے روندوں،
جس پر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّم کے قدم مبارک لگے ہوئے ہیں- فی الحقیقت
وہ زمینِ پاک نہایت واجب التعظیم ہے- بقول حافظ رَحمۃ اللہ عَلَیہِ-

بمقا میکہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحبِ نظراں خواہد بود

ترجمہ: جس جگہ آپ کے قدموں کا نشان ہوگا سالہاسال تک ، صاحب
نظر وہاں عاجز ہو کر تعظیم کے لئے جھکتے رہیں گے-

امام بخاری کا طریقِ ادبِ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّم

امام بخاری رَحمۃ اللہ عَلَیہِ کے حال میں مرقوم ہے کہ آپ صحیح بخاری کے
جمع کرنے کے وقت ہر حدیث لکھنے کے واسطے تازہ غسل کیا کرتے- اور دوگانہ نماز

پڑھتے تھے- بعض کہتے ہیں کہ آبِ زمزم سے غسل کرتے اور مقامِ ابراہیم پر دوگانہ
پڑھتے تھے-

چونکہ اس طرح انہوں نے حدیث نبوی کی تعظیم اور توقیر کی ہے اسی
وجہ سے اللہ تعَالیٰ نے اُن کو ایسا فضل عظیم دیا ہے کہ تمام مسلمان اُن کو اپنا امام
جانتے ہیں اور اُن کی تعظیم اور اُن کی کتاب کی وہ قدر ہوئی کہ دنیا میں سوائے قرآن
مجید کے کسی اور کتاب کی ایسی قدر و منزلت نہیں ہوئی- یہ مقبولیت محض ادبِ
حدیث کا سبب تھا ورنہ احادیثِ صحیحہ کی اور بھی بیشمار کتابیں تھیں-

جمہور علمائے اہل سنت والجماعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اَصَحُّ الْکُتُبِ
بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ کِتَابُ الْبُخَارِیِ یعنی تمام کتابوں سے زیادہ صحیح کتاب
کتاب اللہ کے بعد بخاری کی کتاب ہے-

امام شافعی کا طریقِ ادبِ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّم

امام سیوطی رَحمۃ اللہ عَلَیہِ نے تنزیہ الانبیاء عن تشبیہ الاغبیاء میں امام سبکی
رَحمۃ اللہ عَلَیہِ کی کتاب ترشیح سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی رَحمۃ اللہ عَلَیہِ نے بعض
تصانیف میں وہ قصہ نقل کیا جو کسی عورت نے کچھ مال چرایا تھا اور حضور عَلَیہِ
الصلوۃ وَالسلام نے اُس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا- اور کسی نے سفارش کی پھر وہ
حدیث نقل کی کہ حضور عَلَیہِ الصلوۃ وَالسلام نے اُس وقت فرمایا کہ اگر فلاں عورت
بھی (جو ایک شریفہ تھیں) چُراتیں تو اُن کا بھی ہاتھ قطع کیا جاتا-

امام سبکی رَحمۃ اللہ عَلَیہِ لکھتے ہیں کہ امام شافعی رَحمۃ اللہ عَلَیہِ کا ادب دیکھو
کہ حدیث شریف میں سیدہ فاطمہ رَضیِ اللہُ تعَالیٰ عنہا کا نام مصرح ہے- اگر بعینہ
حدیث نقل کر دیتے، تو کوئی بیجا اور بے موقع بات نہ تھی لیکن آپ نے ازراہِ کمالِ
ادب صراحتاً نام مبارک کو ذکر نہ کیا-

سبحان اللہ کیا ادب تھا حالانکہ اَلفاظِ حدیث کو بعینہٖ نقل کرنا ضروری ہے اور وہ نام مبارک جو حدیث شریف میں وارد ہے لفظ لَوْ کے تحت میں ہے جو علی السبیل فرضِ محال آتا ہے مگر بااِیں ہمہ چونکہ حدیث شریف میں یہ نامِ مبارک مقامِ توہین میں وارد تھا اس لئے ادب نے اجازت نہ دی، کہ اُس نام مبارک کو صراحتاً ذکر کریں۔ گو حدیث شریف میں وارد ہے۔ سچ ہے جو مقربینِ بارگاہ ہوتے ہیں اُنہی کو ادب نصیب ہوتا ہے ہر کس و ناکس میں وہ صلاحیت کہاں۔

از خُدا خواہیم توفیقِ ادب　　بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

ترجمہ: ہم اللہ تعَالٰی سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب اللہ تعَالٰی کی مہربانی سے محروم رہ جاتا ہے۔

سُلطان محمود غزنوی کا طریقِ ادبِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

کہتے ہیں کہ غازی سُلطان محمود غزنوی رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کے غلام ایاز کا ایک بیٹا تھا جو بادشاہ کا ملازم تھا۔ اور اُس کا نام مُحمّد تھا۔ ایک دن بادشاہ سلامت نے ایاز کی موجودگی میں اُس سے یُوں خطاب کیا کہ اے ایاز کے بیٹے! وضو کا پانی لاؤ، ایاز نے ان اَلفاظ کو سُن کر دل ہی دل میں خیال کیا، کہ نہ معلوم میرے بیٹے نے کیا خطا کی کہ جس کے باعث بادشاہ سلامت نے اس کو نام سے نہیں بُلایا۔ پس جب سُلطان محمود وضو سے فارغ ہوئے تو ایاز کی طرف دیکھا کہ وہ مغموم و ملول ہے۔ اس سے غم و رنج کا سبب پوچھا۔ اُس نے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کی کہ عالیجاہا! میرے مغموم ہونے کا باعث یہ ہے چونکہ حضور نے میرے لختِ جگر کو نام لے کر نہیں بُلایا۔ اس لئے معاً میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید اس سے کوئی بے ادبی اور گستاخی سرزد ہوئی ہے کہ جس کے باعث آپ اُس سے خفا اور ناراض ہیں۔ بادشاہ سلامت نے مسکرا کر کہا اے ایاز! خاطر جمع رکھ۔ تمہارے صاحبزادے سے

کوئی بات میری طبع کے خلاف سرزد نہیں ہوئی اور نہ ہی میں اس سے کسی طرح ناراض یا خفا ہوں۔ اس وقت نام نہ لینے میں یہ حکمت تھی کہ میں اس وقت بے وضو تھا۔ چونکہ یہ آقائے نامدار، سرورِ کونین، رحمۃ للعالمین کا ہمنام تھا، اس لئے مجھے شرم آئی کہ حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کا نام مبارک ایسی حالت میں میری زبان سے گزرے، جبکہ میں بے وضو یا بے طہارت ہوں۔ وَنِعْمَ مَاقِیْلَ۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب　　ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی است

ترجمہ: اگر میں اپنے منہ کو کستوری اور گلاب کے عطر سے ہزار بار بھی دھو لوں پھر بھی آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی زبان پر لانا حد درجہ کی بے ادبی ہے۔

مسلمانو! تم کو بھی لازم ہے کہ تم بھی اسی طرح رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی تعظیم و توقیر کرو جس طرح بزرگانِ دین کیا کرتے تھے۔ اور ہر بات میں آپ کا ادب ملحوظ رکھو۔ جس وقت آپ کا ذکر ہو یا آپ کا نام مبارک لیا جائے یا آپ کا کلام پڑھا جائے یا آپ کے فضائل و محامد بیان کئے جائیں تو نہایت متوجہ ہو کر حضورِ قلب کے ساتھ سُنا کرو۔ اور جب تک ایسے مقام میں رہو، درود شریف کی کثرت کیا کرو کہ اس میں اللہ تعَالٰی کی رضا اور خوشنودی ہے بلکہ حقیقت میں تمہارا اپنا ہی نفع اور بہبودی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعَالٰی تمام مسلمانوں کے دلوں میں حبیبِ خدا، اشرفِ انبیاء، مُحمّد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی سچی عظمت و محبت ڈالے۔ حضور کا سچا تابعدار اور فرمانبردار بنائے اور قیامت میں حضور کی معیت سے شاد کام فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

دیدہ باشی تشنہ مستعجل بر آب　　جاں بجاناں ہمچناں مستعجل است

ترجمہ: تو نے یہ منظر دیکھا ہوگا کہ پیاسا پانی پینے کی طرف کتنی جلدی سے لپکتا ہے۔ محبوب کی جانب جان بھی اسی طرح جلدی سے بڑھتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب پنجم :

فوائدِ آدابِ بزرگاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ادب سے گفتگو کرنے سے مغفرتِ گناہان :

جو لوگ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے گفتگو کرتے وقت ادب کو نگاہ رکھتے تھے ، اُن کو محض اس ادب کی خاطر گناہوں کی مغفرت کا پروانہ مل جاتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعَالیٰ سورۂ حجرات رکوع ۱ میں ارشاد فرماتا ہے:- اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۝ یعنی جو لوگ دبی آواز سے بولا کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی لوگ ہیں کہ اللہ تعَالیٰ نے جانچ لیا ہے اُن کے دلوں کو پرہیزگاری کے لئے۔ ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

سبحان اللہ ! کس قدر رحمت اور فضلِ الٰہی مؤدبوں کے لئے مؤجزن ہے کہ اگرچہ گنہگار ہوں علاوہ مغفرت گناہ کے بہت بڑے ثواب کا وعدہ دیا جارہا ہے۔

سرمایۂ ادب بکف آور کہ ایں متاع آنرا کہ ہست فیضِ ابد آیدش بدست

ترجمہ : ادب کا سرمایہ ہاتھ میں رکھ کیونکہ وہ ساماں ہے کہ جس کے ہاتھ میں آجاتا ہے ابد تک باقی رہنے والا فیض اس کو میسّر آجاتا ہے۔

اس آیتِ شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر کس و ناکس کو ادب نصیب نہیں ہوسکتا۔ یہ دولت اُن لوگوں کے حصہ میں ودیعت رکھی گئی ہے جن کے دل امتحانِ الٰہی میں پُورے اُترتے ہیں اور جن میں کامل طور پر تقویٰ کی صلاحیت موجود ہے۔

ایک بدکار کا حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نامِ مبارک پر بوسہ دینے سے بخشا جانا :

حلیہ ابی نعیم میں وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ دو سو برس تک فسق و فجور میں مبتلا رہا۔ تمام لوگ اس کے فسق و فجور سے تنگ آ گئے۔ جب وہ مرگیا تو لوگوں نے اس کو اُٹھا کر بول و براز کے مزبلہ پر پھینک دیا۔ اُسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ آج ہمارے ایک دوست نے دنیا سے انتقال کیا۔ لوگوں نے اُس کو بول و براز میں پھینک دیا۔ ابھی جاؤ اور اس کی تجہیز و تکفین کرو۔ اور بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ اگر اپنی مغفرت چاہتے ہو تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُس کی مغفرت کا سبب پوچھا حکم ہوا کہ بیشک اُس نے دو سو برس کے عرصے میں بے شمار گناہ کئے ہیں۔ اور وہ مغفرت کے لائق بھی نہ تھا مگر بات یہ ہے کہ یہ شخص ایک دن توراۃ پڑھتا تھا جس وقت اُس نے میرے حبیب کا نام مبارک لکھا ہوا دیکھا فوراً آبدیدہ ہو کر اُس نے اُس ورق کو بوسہ دیا اور اپنی آنکھوں سے لگایا ہم کو اپنے حبیب کی تعظیم و توقیر پسند آئی۔ اور اس تعظیم کی برکت سے اُس کے دو سو برس کے گناہ معاف کر دیئے۔ (سیرۃ الحلبی)

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کے نام مبارک کے مقام پر بوسہ دینے کی برکت سے دو سو برس کا گنہگار جنتی اور مقبولِ بارگاہِ ایزدی ہوگیا۔

پس جب ادب کا یہ رتبہ ہو کہ گذشتہ امت والوں کو اس خوبی کے ساتھ سرفراز کرا دے تو قیاس کرو کہ ہم خاص غلاموں کو اس سے کس قدر توقع ہو سکتی ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت کا نامِ مبارک جس مقام پر لکھا تھا اُس سے برکت حاصل کی گئی اور ادب کی راہ سے اُس کو بوسہ دے کر آنکھوں پر رکھا گیا۔ حالانکہ ذاتِ مبارک سے حروفِ مکتوبہ کو کوئی تعلق نہیں۔ اگر ہے تو صرف اسی قدر کہ حضرت کی ذاتِ مبارک پر وہ دلالت کرنے والا ہے۔ حالانکہ دال اور مدلول میں کوئی ذاتی مناسبت نہیں ہوتی بلکہ صرف وضعِ واضع سے یہ دلالت پیدا ہوتی ہے وہ بھی انہی لوگوں کے حق میں جو وضع سے واقف ہوں، باوجود اس کے اُس نام کے مکتوب سے پوری برکت حاصل ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث لکھنے والے قلم کی تعظیم: ایک بزرگ کے احوال میں لکھا ہے کہ اُن کا حدیث شریف کا لکھنا زندگی بھر کا شغل رہا۔ لیکن جس قلم سے لکھنا ہوتا اُس کی بھی اس قدر تعظیم منظور تھی کہ اُس کو بناتے وقت تراشے کے ریزے زمین پر گرنے اور ضائع ہونے نہ دیتے تھے بلکہ اُن کو بااحتیاط جمع کر کے محفوظ رکھتے جاتے۔ جب اس بزرگ نے وفات پائی تو یہ تراشۂ قلم اس قدر جمع ہو گیا کہ اُن کے گھر کے لوگوں نے اُسی کو جلا کر پانی گرم کیا اور اس سے اُن کو غسل دیا گیا۔

غور کرنا چاہئے کہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے نامِ پاک یا آپ کی حدیث شریف کا ادب و تعظیم تو ایک سمجھ میں آ جانے والی بات بھی ہے مگر اس درجہ کا ادب عوام کے قیاس سے بھی بالاتر ہے کہ نام پاک کو لکھنے والے قلم کا ہی ادب نہیں بلکہ اس سے اس تراشے کا بھی ادب کیا جائے جو قلم کے فعلِ تحریر سے پہلے اس سے جُدا ہو رہا ہے۔ سچ ہے انہی اوصافِ کاملہ نے ان حضرات کو

آسمانِ کمال کا مہرِ درخشاں بنا دیا تھا۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام مبارک پر بوسہ دینے کا فائدہ: انجیل میں حضور عَلَیْہِ الصلوٰۃ وَالسلام کے لکھے ہوئے نام مبارک کو صرف چومنے سے نصرانی کئی فتنہ و تکالیف سے بچ گئے، چنانچہ مولانا روم رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ مثنوی معنوی میں فرماتے ہیں۔

بود در انجیل نامِ مصطفیٰ آں سرِ پیغمبراں بحرِ صفا
بود ذکرِ حلیہ ہاؤ شکل او بود ذکرِ غزو وصوم و اکل او
طائفہ نصرانیاں بہرِ ثواب چوں رسیدندے بداں نام و خطاب
بوسہ دادندے برآں نامِ شریف رونہادندے برآں وصفِ شریف

ترجمہ: مطلب ان اشعار کا یہ ہے کہ انجیل میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کا نام مبارک لکھا ہوا تھا جو پیغمبروں کے سردار اور پاکیزگی کے دریا ہیں۔ آپ کا حلیہ شریف بھی اس میں مذکور تھا۔ اور آپ کی شکل و صورت کا اور آپ کے جہاد اور روزہ اور اکل و شرب وغیرہ سب امور کا اس میں بیان تھا۔ عیسائیوں میں سے ایک گروہ کی یہ عادت تھی کہ جب اس مبارک نام و خطاب پر تلاوت کرتے وقت پہنچتے تو ثواب حاصل کرنے کو آپ کے اسمِ شریف پر بوسہ دیتے اور آپ کے اوصافِ لطیف پر رُخسارہ ملتے محبت و تعظیم سے۔

اندریں قصہ کہ گفتیم آں گروہ ایمن از فتنہ بدند و از شکوہ
ایمن از شرِ امیران و وزیر درپناہ نامِ احمد مستجیر
نسلِ ایشاں نیز ہم بسیار شد نامِ احمد ناصر آمد یار شد

ترجمہ: یعنی ہم نے جو فتنہ وزیر کا بیان کیا ہے اس قصہ میں وہ لوگ اس عمل کی برکت سے فتنۂ وزیر اور خوفِ محاربۂ امراء سے مامون رہے۔ نہ

اُمراء کا شرِ جنگ کہ ہلاک جسمانی تھا اُن کو پہنچا اور نہ وزیر کا فتنۂ اِضلال کہ ہلاکِ روحانی تھا اُن تک آیا۔ حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کے اسمِ مبارک کی حمایت میں اُن کو پناہ مل گئی اوروں سے اُن کی نسل بھی بہت بڑھ گئی۔ حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کا اسمِ مبارک اُن کا ناصر اور رفیق ہو گیا۔

نامِ احمد چوں چنیں یاری کند — تاکہ نُورش چوں مددگاری کند
نامِ احمد چوں حصارے شد حصیں — تاچہ باشد ذاتِ آں روح الامیں

ترجمہ: مولانا روم رَحمۃ اللہ عَلَیۡہِ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کا نام مبارک ایسی رفاقت کرتا ہے تو آپ کا نُورِ مبارک (ذاتِ مبارک) بھلا کیسی مدد کرتا ہوگا۔ یعنی حضور کی اتباع سے کس قدر نفع ہوگا۔ جب حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کا نام مبارک ایسا مستحکم قلعہ ہے کہ شرور کو قریب آنے نہیں دیتا تو آپ کی ذاتِ مبارک جس کو اوپر نُور کہا تھا کیسی کچھ ہوگی۔

غرض اگر تم بھی اپنے نبیٔ کریم عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کی تعظیم و توقیر بجالاؤ گے اور ان کا ادب و احترام ہر امر میں نگاہ رکھو گے تو ایسے ہی موردِ افضال و اکرامِ الٰہی ہو گے اور اللہ تَعَالیٰ اپنے حبیب پاک کی تعظیم و توقیر کے باعث تمہارے گناہ بخش دے گا اور ہمیشہ تمہارے دشمنوں پر تمہیں مظفر و منصور فرمائے گا۔ ورنہ وعیدِ شدید اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ کے مستحق اور غضب و عذابِ الٰہی کے سزاوار ہو گے کہ تعظیم و توقیرِ حبیبِ ربِ قدیر اور احتشامِ محبوبِ ربِ انام عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام تم پر ہر وقت اور ہر امر میں لازم و واجب ہے۔

تقبیلُ الاِبہامَین کے اِثبات کے دلائل

مسلمانو! اگر ہم حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کا نام پڑھ کر یا سُن کر بوسہ دیا کریں، تو برکاتِ دارین کے مستحق ہو سکتے ہیں چنانچہ کتاب مضمرات میں مرقوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت میں حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کی ملاقات کے مشتاق ہوئے، تو اللہ تَعَالیٰ نے اپنے حبیبِ پاک محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے جمال کو اُن کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں جلوہ گر فرمایا۔ انہوں نے اس پر بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملا۔ پس یہ سنت اُن کی اولاد میں جاری ہوئی۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے یہ قصہ حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مَنۡ سَمِعَ اسۡمِیۡ فِی الۡاَذَانِ فَقَبَّلَ ظُفۡرَیۡ اِبۡہَامَیۡہِ وَمَسَحَ عَلٰی عَیۡنَیۡہِ لَمۡ یَعۡمَ اَبَدًا یعنی جو شخص اذان میں میرا نام سُنے اور انگوٹھوں پر بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملے تو وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔

دیلمی نے مسند فردوس میں روایت کی ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عنہ مؤذن سے کلمہ اَشۡہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہِ سُنتے تو کہتے اَشۡہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ رَضِیۡتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا اور بوسہ دیتے کلمہ کی انگلیوں کے باطن پر اور اُن کو اپنی آنکھوں پر ملتے اور انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے مَنۡ فَعَلَ مِثۡلَ مَا فَعَلَ خَلِیۡلِیۡ جو کوئی ایسا کرے جیسا کہ میرے خلیل نے کیا۔ فَقَدۡ حَلَّتۡ عَلَیۡہِ شَفَاعَتِیۡ تو اُس کے لئے میری شفاعت ثابت ہوگی۔

علامہ شامی نے اپنے فتاوی کی جلد اوّل میں باب الاذان میں کنزالعباد سے نقل کیا ہے کہ جو شخص پہلی شہادت سُن کر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡکَ یَا رَسُوۡلَ

اللّٰہِ اور دوسری شہادت سُن کر قُرَّتُ عَیۡنِیۡ بِکَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ کہے اور دونوں کے انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگائے اور یہ پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ مَتِّعۡنِیۡ بِالسَّمۡعِ وَالۡبَصَرِ تو خود رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ اُس کو جنت کی طرف رہنمائی کریں گے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمۡ دَآئِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیۡبِکَ خَیۡرِ الۡخَلۡقِ کُلِّھِمِ

ترجمہ : اے پروردگار! ہمیشہ ہمیشہ تک اپنے محبوب اور تمام مخلوق سے بہتر ہستی پر درودو رحمت نازل فرماتا رہ۔

حضور پُرنور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کا نامِ مُبارک لینے سے مُردے کا زندہ ہو جانا

صحابۂ کرام کے زمانہ میں ایک عورت صحابیہ نے خلوص اور صدقِ دل سے حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کے نامِ نامی اور اسمِ گرامی کو ایک مُردے پر لیا جس سے وہ مُردہ زندہ ہو گیا۔ چنانچہ مدارجُ النبوۃ میں اَنَس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ایک صحابیہ کا ایک نوجوان لڑکا تھا جو حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کے گروہِ مہاجرین میں سے تھا وہ بیمار ہوا اور اُس پر حالتِ نزع طاری ہوئی۔ ہم لوگ اُس وقت اُس کے پاس تھے کہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اُس کی رُوح نے جسمِ عُنصری سے پرواز کیا ہم نے سنت کے موافق اُس کے پاؤں کے انگوٹھے اور مُنہ کو باندھ کر اُس کو چادر اوڑھا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس کی والدہ جو کہیں باہر گئی ہوئی تھی، آکر ہم سے پُوچھنے لگی کہ میرے لڑکے کا کیا حال ہے؟ ہم لوگوں نے تعزیت کے کلمات ادا کئے چنانچہ شریعت میں تعزیت کے جو کلمات آئے ہیں۔ اُس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ ماتم کو صبر

پر دلالت کرے اور میت کے حق میں دعائے مغفرت کرے۔ الغرض جب اُن صحابیہ کو یقین ہوا کہ میرا لڑکا واقعی مرگیا، تب وہ اُس کے سرہانے آکر کھڑی ہوئی اور بدرگاہِ ربُ العلمین یُوں عرض کرنے لگی یا الہ العالمین! تُو جانتا ہے کہ میں تیرے حبیب پاک پر ایمان لائی۔ اور اُس کی محبت سے میں نے اپنے وطن کو چھوڑ کر ہجرت کی۔ اور یہی میرا ایک لڑکا تھا جو اس ضعیفی میں میرا کام کرتا تھا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کی برکت سے اس کو زندہ کردے۔ اَنَس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت اُس بی بی نے حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام کا نام مبارک لیا، ہم نے بچشمِ خود دیکھا کہ وہ لڑکا زندہ ہو گیا۔

ایک شخص کا امام احمد بن حنبل کی تعظیم و ادب کے باعث بخشا جانا

مروی ہے کہ ایک دفعہ امام احمد بن حنبل رَحمۃ اللہ عَلَیۡہِ کسی شہر میں دریا کے کنارے وضو کر رہے تھے اور ایک اور گنہگار شخص آپ کے اوپر کی جانب فاصلہ پر وضو کر رہا تھا۔ وہ شخص امام احمد بن حنبل رَحمۃ اللہ عَلَیۡہِ کو دیکھ کر تعظیم کے لحاظ سے اُوپر سے نیچے چلا آیا اور آپ سے نیچے کی طرف بیٹھ کر وضو کیا کہتے ہیں کہ جب وہ شخص انتقال کر گیا تو وہ بہشت میں داخل ہوا۔ اُس کو جاننے والے ایک ولی اللہ نے اُس کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تو کس طرح بہشت میں داخل ہوا، تُو تو سخت گنہگار تھا۔ اُس نے کہا کہ اللہ تَعَالٰی نے محض اُس تعظیم کے سبب سے مجھے بخش دیا جو میں نے امام صاحب کے وضو کرنے کی حالت میں کی تھی کہ میں نے ادب کے سبب اوپر کی جانب سے نیچے کی طرف آکر وضو کیا تاکہ میرا مستعمل پانی آپ تک نہ پہنچے۔

بزرگوں کی طرف دیکھنے والی آنکھوں کا اثر

حکایاتُ الصالحین میں مرقوم ہے کہ ایک دفعہ بصرہ میں بارش کی کمی کے باعث قحط پڑ گیا- سب شہر والے تین روز تک برابر نمازِ استسقاء کے لئے شہر کے باہر جایا کئے اور نہایت عجز سے گریہ و زاری کی ، مگر خدا کی شان آسمان سے ایک بوند تک نہ گری- اسی اثناء میں ایک برگزیدہ شخص نے صف سے اُٹھ کر گڑگڑا کر نہایت الحاح و زاری کے ساتھ یُوں دعاء کی- یا الٰہ العالمین! بہ طفیل سر کی دو چیزوں کے بارانِ رحمت برسا اور اپنے گنہگار بندوں کو اس آفت قحط سے بچا- ابھی وہ یہ کلمات کہنے نہ پایا تھا کہ آناً فاناً بادل نمودار ہوگئے اور موسلا دھار بارش ہونی شروع ہوگئی- حاضرین نے جب یہ ماجرا دیکھا تو ایک شخص متعجب ہو کر اس مرد خدا سے دریافت کرنے لگا کہ بھائی وہ دو چیزیں سر میں کونسی ہیں- جن کی طفیل سے آپ نے بارش کے لئے دعا کی - اور وہ اُسی وقت قبول ہوگئی اُس اللہ کے بندے نے فرمایا کہ بھائی جان! سر کی وہ دو چیزیں میری یہ دو آنکھیں ہیں کہ ان سے میں نے حضرت بایزید بسطامی رَحمۃ اللہ عَلَیہِ کو دیکھا ہے- یہ کوئی تعجب اور حیرانی کی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک معمولی بات ہے اولیاء اللہ کی یہ ایک ادنیٰ کرامت ہے-

اولیاء را ہست قدرت از الہ تیر جستہ باز گردانند ز راہ

ترجمہ : اللہ تَعَالیٰ نے اولیائے کرام کو یہ قدرت عطا فرما رکھی ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو رستہ ہی سے واپس پھیر دیتے ہیں-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ ششم :

متفرق آداب

حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا توریت شریف کا ادب کرنا : حضور عَلَیہِ الصلوۃ وَالسلام موجودہ توریت شریف کا بھی ادب کیا کرتے تھے چنانچہ سننِ ابوداؤد میں ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ چند شخص قومِ یہود سے حضور عَلَیہِ الصلوۃ وَالسلام کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ قف تک جو ایک مقام مدینہ کے قریب ہے تشریف لے چلیں- چنانچہ حضور عَلَیہِ الصلوۃ وَالسلام بیت مدراس میں تشریف لے گئے اور مسند پر جو حضور عَلَیہِ الصلوۃ وَالسلام کے لئے بچھائی گئی تھی- تشریف فرما ہوئے- پھر اُنھوں نے عرض کی کہ ہم میں سے ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا ہے- اس بارے میں آپ حکم فرمائیں کہ کیا سزا دی جائے- حضور عَلَیہِ الصلوۃ وَالسلام نے اُن سے توریت منگوائی- جب وہ لائی گئی تو حضور عَلَیہِ الصلوۃ وَالسلام نے مسند سے علیحدہ ہو کر اُس پر توریت رکھ دی- پھر فرمایا کہ میں تجھ پر اور جس نے تجھ کو نازل کیا اُس پر ایمان لایا- پھر فرمایا کہ کسی ایسے شخص کو بلاؤ جو تم میں بڑا عالم ہو- چنانچہ ایک جوان آیا اور اُس نے توریت سے رجم کا حکم ثابت کر دیا جس کا یہود کو انکار تھا-

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ باوجود اُس زمانہ میں توریت تحریف و تصحیف سے خالی نہ تھی مگر حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام نے اُس کا بھی ادب کیا۔

از خُدا خواہیم توفیقِ ادب بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

ترجمہ: ہم اللہ تَعَالٰی سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب اللہ تَعَالٰی کی مہربانی سے محروم رہ جاتا ہے۔

امامُ الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کا انبیاء کی تصویروں کو مٹانے میں ادب کا لحاظ رکھنا

مصنف ابن ابی شیبہ میں جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ہم مکہ معظمہ میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ داخل ہوئے۔ اُس وقت عین کعبہ شریف اور اُس کے اطراف میں تین سو ساٹھ بت تھے جن کی پرستش ہوا کرتی تھی۔ حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام نے بتوں کی طرف توجہ کی تو جتنے بت تھے۔ سب سرنگوں ہوگئے۔ پھر فرمایا۔ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ۚ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۹) یعنے "دین حق آیا اور دین باطل نیست و نابود ہوا۔ بیشک باطل تو نیست و نابود ہونے والا ہی تھا"۔ اس کے بعد خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز پڑھ کر دیکھا کہ حضرت ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحاق علیہم السلام کی تصویریں بنی ہوئی ہیں مگر ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کے ہاتھ میں تیر ہے جس سے کفار فال دیکھا کرتے تھے۔ اور فرمایا خدا ان کو قتل کرے۔ ابراہیم علیہ السلام تو تیروں سے فال نہیں لیتے تھے۔ پھر حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام نے زعفران منگوا کر تصویروں کو لگا دیا جس سے وہ مشتبہ ہوگئیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تصویریں بھی بتوں ہی کی قطار میں تھیں جن کی توہین کا

حکم ہو چکا تھا۔ اور فی الواقع اُن تصویروں کو اُن حضرات سے نسبت ہی کیا تھی۔ وہ تو چند احمقوں نے اپنی طبیعت سے جیسے چاہا بنالیا تھا مگر اتنی بات تو ضرور تھی کہ اُن حضرات کا نام وہاں آگیا تھا جس کے لحاظ سے حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام نے اُن کو مٹایا بھی تو معطر زعفران سے ورنہ مٹانے والی چیزوں کی وہاں کچھ کمی نہ تھی۔

سبحان اللہ! کس قدر پاسِ ادب تھا کہ جہاں بزرگوں کا نام آگیا پھر وہ چیز کسی درجہ کی باطل ہی کیوں نہ ہو مگر اُس کے ساتھ بھی خاص ایک قسم کی رعایت ادب ہی کی گئی۔

جب خود حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام جن کا رُتبہ اللہ تَعَالٰی کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء سے بڑھا ہوا ہے ایسی بے اصل چیز کے ساتھ بلحاظِ نام رعایت ادب کریں تو ہم آخری زمانہ کے مسلمانوں کو کس درجہ کا ادب اُن آثار کے ساتھ کرنا چاہئے جن کا بطورِ واقعی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی طرف منسوب ہونا لاکھوں مسلمانوں کے عقیدوں سے ثابت ہے۔ اگر ہم نے فرض کیا کہ واقع میں وہ چیزیں منسوب بھی نہیں مگر آخر نام تو آگیا۔ اس کا لحاظ بھی ضرور ہے جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا۔ لیکن تعجب ہے اُن بیوقوفوں کی سمجھ پر کہ جو ان عقیدہ والوں کو اُلٹا مشرک بناتے ہیں جس سے وہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق خود کافر ہو جاتے ہیں۔

آدابِ قبلہ

حضور عَلَیۡہِ الصلوۃ وَالسلام بیت اللہ شریف کا بڑا ادب کیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ابو ایوب انصاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے اِذَا اَتَیۡتُمُ الۡغَآئِطَ فَلَا تَسۡتَقۡبِلُوۡا

الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا بِبَوْلٍ وَلَا غَائِطٍ یعنی پیشاب یا پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف پیٹھ اور مُنہ نہ کیا کرو۔ آپ کے اس ارشاد سے صرف قبلہ کا ادب پیشِ نظر تھا۔

طبری ، ابو حاتم اور عبدالرزاق وغیرہ نے سراقہ بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الْغَائِطَ فَلْیُکْرِمْ قِبْلَةَ اللّٰہِ فَلَا یَسْتَقْبِلَنَّ الْقِبْلَةَ یعنی جب کوئی شخص قضائے حاجت کو جائے تو اللہ تعالیٰ کے قبلہ کی تکریم اور بزرگی کرے اور اُس کی طرف مُنہ نہ کرے۔

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسِلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ یَبُوْلُ قُبَالَةَ الْقِبْلَةِ فَذَکَرَ فَتَحَرَّفَ عَنْهَا اِجْلَالًا لَّهَا لَمْ یَقُمْ مِنْ مَّجْلِسِهٖ حَتّٰی یُغْفَرَلَهٗ (رواہ الطبرانی وکنزالعمال)

یعنی حسن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے جو شخص سہواً پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف مُنہ کرے۔ پھر یاد آتے ہی پھر جائے بخیالِ تعظیم قبلہ کے تو قبل اُٹھنے کے بخشے جاتے ہیں اُس کے گناہ۔

اگر عقلِ نارسا سے کام لیا جائے تو یہ بات کبھی سمجھ میں نہ آئے گی ، کہ ان حالتوں میں قبلہ کی طرف مُنہ یا پیٹھ کرنا منع کیوں ہوا۔ خصوصاً اُس مقام میں جہاں سے کعبہ شریف سینکڑوں ہزاروں کوس دور ہو۔ اگر اس موقع میں کوئی شخص کہے کہ کعبہ شریف از قسم جمادات ہے اور اُس کی طرف صرف نماز میں متوجہ ہونا امتثالِ امر کے لئے کافی تھا۔ ہمیشہ اُس کی تعظیم دل میں جمائے رکھنا اور سوائے حالتِ نماز کے بھی اُس کا ادب کرنا کیا ضرور؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے امور میں عامیوں کی سمجھ کو کچھ دخل نہیں۔ جو لوگ آداب دان ہیں ، اُن کی خود طبیعت گواہی دیتی ہے کہ ذواتِ فاضلہ اور اماکنِ شریفہ کے ساتھ ہر حالت اور ہر وقت میں خواہ قریب ہوں یا بعید مؤدب رہنا ضرور ہے۔ اور جس کی طبیعت میں یہ بات نہ ہو۔ اگر طالب صادق ہے تو اس کو اتنا ضرور ہے کہ اس قسم کی تعلیمات میں غور اور فکر کیا کرے تاکہ معلوم ہو کہ دین میں ادب کی کس قدر ضرورت ہے کسی کامل بزرگ نے کیا ہی اچھا کہا ہے۔

اَدِّبُوا النَّفْسَ اَیُّهَا الْاَحْبَابُ طُرُقُ الْعِشْقِ کُلُّهَا آدابٌ
مایۂ دولتِ ابد ادب است پایۂ رفعتِ خرد ادب است
چیست آں دادِ بندگی دادن برحدودِ خدائے استادن
قول و فعل از شنیدن و دیدن بمو ازین شرع سنجیدن
باحق و خلق و شیخ و یار و رفیق رہ سپردن بمقتضائے طریق
حرکاتِ جوارح و اعضاء راست کردن بحکم دینِ ہدا
خطرات و خواطر و اوہام پاک کردن زشوبِ نفس تمام
دین و اسلام در ادب طلبی است کفر وطغیان زشومِ بے ادبی است

ترجمہ : اے دوستو! نفس کو ادب سکھاؤ کیونکہ عشق کے تمام رستے ادب کا تقاضا کرتے ہیں۔

ہمیشہ رہنے والی دولت کا سرمایہ ادب ہے عقل کی بلندی کے لئے ستون ادب ہے۔

عبادت سے انصاف کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود پر کھڑے رہیں۔

ہر سُنی ہوئی بات اور دیکھے ہوئے عمل کو کامل طور پر اس شریعتِ مطہرہ کے ساتھ تولتے رہیں۔

اپنے اعضاء اور جوڑوں کی حرکات کو دینِ ہدا کے حکم کے مطابق درست کرتے رہیں۔

خیالات، دل میں کھٹکنے والی باتوں اور وہموں کو نفس کی آلودگی سے کامل طور پر پاک رکھیں۔

دین اور اسلام ادب کی توفیق مانگنے میں ہے کفر اور دین سے بغاوت بے ادبی کی نحوست کے باعث ہے۔

جب بیت اللہ شریف کو بسببِ شرافتِ اِضافت یہ رتبہ حاصل ہو کہ ہر نزدیک، دُور والے پر اس قسم کا ادب ضرور ٹھہرایا گیا تو جس کو ذرا بھی بصیرت ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ خاص حبیبِ خُدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے متعلق آداب کی کس قدر ضرورت ہوگی۔

آدابِ مرشد از مُجدّدِ الفِ ثانی قدس سرہٗ

بعضے از آدابِ پیرو شرائطِ ضروریہ در معرضِ بیان آوردہ مے شود۔ بگوشِ ھوش باید شنید۔ بدانکہ طالب رابایدکہ روئے دلِ خودرا از جمیع جہات گردانیدہ متوجہِ پیرِ خود سازد باوجود پیر بے اذنِ او بنوافل و اذکارنپردازد و درحضورِ او بغیرِ اوالتفات ننماید۔ وبکلیعتِ حود متوجہ او بنشیند حتی کہ بذکر ہم مشغول نشود۔ (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب نمبر ۲۹۳)

چند آدابِ پیر اور ضروری شرائط بیان کئے جاتے ہیں۔ گوشِ ہوش سے سننے

چاہئیں۔ واضح ہو کہ طالب کو چاہئے کہ اپنے دل کو سب طرفوں سے ہٹا کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے۔ پیر کی موجودگی میں اُس کی اجازت کے بغیر نوافل اور اَذکار میں مشغول نہ ہو اور اُس کے روبرو کسی اور طرف التفات نہ کرے اور اپنی پوری توجہ سے اس کے سامنے بیٹھے حتیٰ کہ کسی اور ذکر میں بھی مشغول نہ ہو۔

حضرت حسام الدین چلپی رحؒ کا ادبِ مرشد : حضرت حسامُ الدین چلپی رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ مولانا روم رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کے مریدانِ خاص سے تھے۔ انہی کی تحریک سے مثنوی شریف کی بنیاد پڑی اور پھر انہی کی سعی و امداد سے یہ کار عظیم اختتام کو پہنچا۔ مولانا باوجود پیر و مرشد ہونے کے ان کا ادب اس طرح بجا لاتے تھے کہ ایک اجنبی یہ سمجھتا تھا کہ مولانا خود اُن کے مرید ہیں چنانچہ آپ دیباچہء مثنوی میں حضرت حسام الدین چلپی کو ان لفظوں سے یاد فرماتے ہیں۔ لِاسْتِدْعَآءِ سَیِّدِیْ وَسَنَدِیْ وَمُعْتَمَدِیْ وَمَکَانِ الرُّوْحِ مِنْ جَسَدِیْ وَذَخِیْرَۃِ یَوْمِیْ وَغَدِیْ وَھُوَالشَّیْخُ قُدْوَۃُ الْعَارِفِیْنَ اِمَامُ الْھُدٰی وَالْیَقِیْنِ الخ۔ یہ توصیفات کئی سطروں تک چلی گئی ہیں لیکن حضرت حسام الدین چلپی اپنے شیخ کی نظر میں اس علوِ مرتبت کے باوجود ان کا اس قدر ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ پورے دس برس کی مدت میں ایک دن بھی مولانا کے وضوخانہ میں وضو نہیں کیا۔ شدت کے جاڑے پڑتے ہوتے اور برف گرتی ہوتی لیکن گھر جا کر وضو کر آتے۔ سچ ہے ان لوگوں نے جو کمالات حاصل کئے سب ادب ہی کی بدولت حاصل کئے۔

باادب باش دریں باغ کہ ہر کس اینجا مے نہد بر سر ہم دست، ثمرے چنید

ترجمہ : دنیا کے اس باغ میں باادب رہو کیونکہ جو شخص یہاں اپنے ساتھی کو سر پر بٹھاتا ہے وہ پھل چنتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ہفتم :

طریقِ ادب

(از مرزا محمد نذیر عرشی حنفی نقشبندی مجددی مولوی فاضل مؤلف مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم)

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا ادب ملحوظ رکھنا شرط ایمان ہے۔ اس ادب کا طریقہ کیا ہے؟ اور کن باتوں میں ادب ملحوظ رکھنا لازم ہے؟ اس کے نظائر بکثرت صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے آثار و سِیَر میں اوپر مذکور ہو چکے۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ جس طرح رُوحِ محمدی تمام کائنات میں اپنا خاص اثر رکھتی ہے اسی طرح ادب رسول بھی تمام آداب پر حاوی ہے جو شخص جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا ادب ملحوظ رکھتا ہے وہ اپنے والدٗ اپنے استادٗ اپنے مرشد کا بھی ادب کرے گا۔ جس شخص کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا ادب کرنا نصیب نہیں، وہ اپنے ان تمام بزرگوں کے ساتھ بھی بے ادبی سے پیش آتا ہے۔ چنانچہ یہ مشاہدہ ہے کہ بعض خاص اسلامی فرقے جن کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ کمالِ ادب ملحوظ رکھنے کی توفیق نہیں، وہ ائمہ اربعہ کے ساتھ بے ادبی کرنے میں بھی بدنام ہیں۔ اُنھیں قرآنِ مجید کو بھی فرش پر اپنے پاؤں کے برابر رکھنے کی جرأت ہے۔ وہ اپنے اساتذۂ کرام کو بھی برابر کے دوستوں کی طرح سمجھنے کے عادی

ہیں اور کسی کو اپنا پیرو مرشد بنانا تو اُن کا شیوہ ہی نہیں۔ اللہ تَعَالٰی ان کو ہدایت بخشے۔ بے ادبی سے نہ صرف دین ہی ناقص رہتا ہے بلکہ انسانیت بھی ناقص ہے۔ ؎

آدمی زاد اگر بے ادب است آدم نیست فرق در جنس بنی آدم و حیواں ادب است

ترجمہ : کسی آدمی کا بیٹا اگر بے ادب تو انسان نہیں ہے۔ بنی آدم اور حیوانات میں فرق صرف ادب کا ہے۔

چنانچہ اوپر جن چند نظائر میں بعض بزرگوں کے بارے میں اپنے مرشد کا کمالِ ادب بجالانا مذکور ہوا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو خدا نے پہلے جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا ادب ملحوظ رکھنے کی توفیق بخشی ہے اور اس ادب کی بدولت ان میں اپنے اساتذہ و مشائخ کا ادب ملحوظ رکھنے کی صلاحیت بھی پیدا ہوگئی۔ سچ ہے باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب۔

جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہے۔ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ یعنی میرے پروردگار نے مجھے ادب دیا پس مجھے خوب ہی ادب سکھایا۔

اللہ تَعَالٰی فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ یعنی "اے حبیب پاک! تم لوگوں سے کہو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ تو اللہ بھی تم کو دوست رکھے گا۔" حدیثِ بالا سے ثابت ہوا کہ حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کمالِ ادب کا اعلیٰ نمونہ ہیں اور آیتِ مذکورہ سے ہمارے لئے حضور عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام کے اتباع کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے اتباع میں ہم کو بھی کمالِ ادب کی کوشش کرنی چاہئے اور سب سے پہلے ہمارا فرض یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے لئے ادب کے تمام پہلو مرعی رکھنے کی دل و جان سے کوشش کریں۔ پھر ہم اپنے والدین کے لئے باادب فرزند اور اپنے استادوں کے لئے باادب شاگرد اور اپنے مشائخ کے لئے باادب مرید بھی ہوں گے۔

جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کے لئے پورا ادب ملحوظ رکھنے کے تو بے شمار پہلو ہیں، جو صحابہ کرام کے مذکورہ بالا آثار پر غور کرنے سے بڑی حد تک سمجھ میں آسکتے ہیں مگر عام طور پر امورِ ذیل میں ادب کرنا ہر شخص کے لئے واجب العمل ہے۔

(۱) آپ کی محبت اپنے ماں باپ اپنی اولاد بلکہ خود اپنی جان کی محبت سے بھی زیادہ ہو۔ اور اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا، چنانچہ حدیث میں ہے۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ یعنی کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ میں اُس کے نزدیک اپنے باپ اور اپنے فرزند اور سارے لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔

جامع صغیر میں علامہ سیوطی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے اَدِّبُوْا اَوْلَادَکُمْ عَلٰی ثَلٰثِ خِصَالٍ حُبِّ نَبِیِّکُمْ وَحُبِّ اَهْلِ بَیْتِہٖ وَقِرَآءَۃِ الْقُرْاٰنِ یعنی "اپنی اولاد کو تین باتوں کا ادب دو، ایک اپنے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کی محبت کا، دوسرے اُن کے اہل بیت کی محبت کا، تیسرے قرآن پڑھنے کا"۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آپ کی محبت خاص مقتضائے ادب ہے۔

(۲) جو لوگ آپ کی بے ادبی کرنے کی جُرأت کرتے ہیں اُن کو اس سے روکنا چاہئے جیسے کہ بعض لوگ آپ کو بَشَرٌ مِّثْلُنَا سمجھتے ہیں۔ اور بلند آہنگی سے اس پر بحث کرتے ہیں اور بعض لوگ ایسے بیباک بھی دیکھے گئے ہیں جو معاذ اللہ! اپنے ہاتھ کی لاٹھی کو کہتے ہیں کہ اس وقت یہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ سے اچھی ہے۔ کیونکہ جب یہ کسی کے ماری جائے تو اُسے ضرر پہنچا سکتی ہے۔ لیکن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ اس وقت کسی کو نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ ایسے لوگ اگر اس قسم کے بے ادبانہ عقائد و اقوال سے باز نہ آئیں تو اُن کے

ساتھ مکالمت اور مجالست اور مناکحت کے تعلقات منقطع کر دینے چاہئیں کیونکہ مقامِ رسالت کے ساتھ بے ادبی کرنے والوں کے ساتھ راہ و رسم رکھنا جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ ؎

نظر دوست نادر کند سوئے تو　　چو در روئے دشمن بود روئے تو

ترجمہ: دوست شاذونادر ہی تیری طرف اس وقت دیکھے گا جب دُشمن کا چہرہ تیری جانب ہو۔

(۳) جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کا نامِ مُبارک زُبان سے لیں یا کسی کی زُبان سے سُنیں۔ تو فوراً درود پڑھنا چاہئے۔ یعنی کہنا چاہئے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ یا عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام یا صلوات اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَامہ وغیرہ۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ (رواہ الترمذی) یعنی ترمذی میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے فرمایا ہے کہ خاک آلود ہو ناک اُس آدمی کی جس کے پاس میں ذکر کیا جاؤں اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(۴) جب آپ کا نام لکھنے لگیں تو ساتھ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ یا عَلَیْہِ الصلوۃ وَالسلام لکھنا ضروری ہے۔ آپ کے نام پر درود شریف کے اشارہ کے لئے (ؐ) یا صلعم لکھنا میرے خیال میں نہ لکھنے سے بدتر ہے کیونکہ اگر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کا نام پاک لکھا جائے اور اس پر درود تحریر نہ ہو تو وہ سہو پر محمول ہوسکتا ہے لیکن (ؐ) یا صلعم کے نشان اس امر کی صراحت کر رہے ہیں کہ جس مومن کے قلم میں ایک لمبی تحریر سے کاغذ سیاہ کرنے کی طاقت تھی اُس کا حبِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کا جذبہ اس قدر سرد پڑ چکا ہے کہ وہ پُورے درود کے دو حروف لکھنے میں بھی اپنے وقت کے ایک سیکنڈ کا حرج اور سیاہی کے ایک قطرہ کا نقصان گوارا نہیں کرسکتا۔ ؎ فَاهًا ثُمَّ اٰهًا ثُمَّ اٰهَا

نشان ؐ کے متعلق ایک اور عام غلطی مروّج ہے وہ یہ کہ جن لوگوں کے نام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے نام پر مثلاً محمد الدین، محمد علی، محمد خاں، محمد بیگ وغیرہ

ہوتے ہیں- لوگ ان پر بھی (ؐ) کا نشان بنا دیتے ہیں، حالانکہ اس خصوصیت میں یہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ خاص اسی شخص کا نام ہے- جس کے لئے اُس کے ماں باپ نے رکھا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے- کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے تَسَمُّوْا بِاِسْمِیْ یعنے میرے نام پر نام رکھو- جس سے ظاہر ہے کہ دونوں نام الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں، یعنی ان میں عینیت نہیں ہے، بلکہ صرف مطابقت ہے تو پھر اس پر درود کا اشارہ لکھنے کے کیا معنے ہوں گے؟ کیا اس سے محمد الدین ولد کریم بخش مثلاً یا محمد علی ولد یعقوب علی مثلاً یا محمد خاں ولد سکندر خاں- مثلاً یا محمد بیگ ولد رستم بیگ پر درود بھیجنا مقصود ہے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ- یہ لغو کام ہرگز نہ ہونا چاہئے- اس قسم کی غلطیوں سے ملتی جلتی ایک اور غلطی ہے جس میں نہ صرف عوام بلکہ اچھے اچھے خواندہ و فہمیدہ لوگ بھی مبتلا ہیں وہ غلطی عفی عنہ لکھنے کی ہے، جس کے معنے ہیں معاف کیا جائے اس سے- اس لفظ کو اکثر اصحاب اپنے نام کے ساتھ بطور دعا لکھتے ہیں- گناہوں سے معافی بخشنے والا خدا ہے- اور اس دعاء میں اسی سے معافی کی التجا کی جاتی ہے- پس مناسب یہ ہے کہ لکھا جائے عفا اللہ عنہ یعنی اللہ اس کو معاف کرے- مگر اس ذات اَعْرَفُ الْمَعْرُوْفِین کو صیغہ مجہول میں ساقط الذکر کر دینے کا جو رواج ہے یہ بے ادبی سے خالی نہیں-

(۵) جس خط یا کسی دوسرے کاغذ میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کا نام درج ہو، یا محمد الدین، محمد خاں وغیرہ کوئی ایسا نام لکھا ہو، جو حضور کے نام سے ماخوذ ہو، تو اس کا ادب کرنا بھی لازم ہے- اوّل تو اردو فارسی اور عربی حروف کا مطلقاً ادب ضروری ہے، خواہ اس میں کچھ ہی لکھا ہو، کیونکہ حروف تہجی تمام اسمائے متبرکہ کا مادہ تحریر ہیں- اور ان میں بہت سی برکات اور اسرار و عجائبات مرکوز ہیں- چنانچہ قرآن مجید میں ان کا بطور مقطعات آنا اور بہت سے تعویذات و نقوش کا اُن

سے پُر کیا جانا اس پر شاہد ہے، مگر جس عبارت یا تحریر میں خداوند تعالیٰ کے اور جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے اسماء میں سے کوئی اسم درج ہو، اس کاغذ کو زمین پر گرنے پڑنے سے محفوظ رکھنا چاہئے- اگر زیادہ اہتمام مشکل نظر آئے تو کم از کم اتنا ضرور چاہئے، کہ ایسے متبرک و قابلِ عزت اسماء کو کاغذ میں سے کتر کر محفوظ کر دیں- ہمارے شناساؤں میں ایک امیر کبیر آدمی ہیں جو صوفی مزاج اور دیندار بھی ہیں- اُن کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی خط اُن کے نام آتا ہے- تو اُس کو پڑھ کر تمام متبرک اسماء اُس میں سے کتر کر مُنہ میں ڈال کر کھا جاتے ہیں- باقی خط کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں- اس قسم کے اَعمال گو بظاہر خفیف معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کی تہ میں جو کمالِ عقیدت اپنا کام کر رہی ہے، وہ بڑے سے بڑے اعمال صالحہ پر ترجیح رکھتی ہے- اور تعجب نہیں کہ وہی آخرت میں باعثِ نجات ہو جائے-

نہ نماز آتی ہے مجھ کو نہ وضو آتا ہے   سر جُھکا دیتا ہوں جب سامنے تُو آتا ہے

(۶) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے ادب کے ساتھ اُن بزرگانِ دین کا ادب بھی لازم ہے جو شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام والتحیتہ کے ارکانِ عظمیٰ اور اس آسمانِ ہدایت کے نجومِ اہتدا ہیں- پس ہر صحابی کے نام کے ساتھ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ اور عام اولیاء و صلحاء کے ناموں کے ساتھ رحمۃ اللہ عَلَیْہِ یا علیہ الرحمۃ والغفران یا قدس اللہ سرہ وغیرہ کہنا چاہئے- ان کے ساتھ ملتے جلتے اور دعائیہ کلمات بھی ہیں، مثلاً طاب ثراہ، نور اللہ مرقدہ، برد اللہ مضجعہ وغیرہ، وہ بھی حسبِ مراتب استعمال ہو سکتے ہیں- عامہ مومنین جو وفات پا چکے ہیں اُن کے نام کے ساتھ مرحوم و مغفور بولنا یا لکھنا مناسب ہے- غرض شرطِ ادب یہ ہے کہ صحابہ سے لے کر عامہ مومنین تک سب کو علیٰ قدرِ مراتب نیکی سے یاد کرنا چاہئے-

بزرگش نخوانند اہلِ خرد   کہ نامِ بزرگاں بزشتی برد

ترجمہ : عقل منداس شخص کو عظیم کہہ کر نہیں بلاتے جو بزرگوں کا نام بے ادبی سے لیتا ہے۔

(۷) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے ادب کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ اللہ تعَالیٰ نے اُن پر جو کتاب نازل فرمائی ہے ، اُس کا بھی ادب کیا جائے۔ چنانچہ اس کے ادب کی باتیں یہ ہیں:-

(۱) قرآن مجید کی روزانہ تلاوت باوضو کی جائے۔ تلاوت میں ناغہ کرنا یا بلاوضو تلاوت کرنا بے ادبی ہے۔

(۲) تلاوت کے اثناء میں کوئی دنیوی بات نہ کی جائے۔

(۳) اگر کوئی خاص بات کرنی ہی پڑ جائے ، تو قرآن مجید کو بند کرکے بات کریں یا اُس وقت اُس پر کوئی پاک رومال ڈال دیں ، پھر دوسری طرف متوجہ ہوں۔

(۴) قرآنِ مجید کو خالی قرآن نہ کہیں بلکہ اس کے ساتھ مجید یا حمید یا شریف وغیرہ کوئی مؤدّبانہ لفظ ضرور ملائیں۔

(۵) قرآنِ مجید کو فرش پر اپنے قدموں سے اونچا رکھیں۔ یعنی یا تو ہاتھوں میں ہو ، یا رحل پر ، یا چوکی پر ، یا گود میں۔ بعض بے ادب لوگ جو اسی فرش پر رکھ دیتے ہیں ، جس پر خود بیٹھتے ہیں ، وہ گناہ کا کام کرتے ہیں ، خصوصاً بعض بازاری کتب فروش اس قسم کے گناہ کی طرف سے بہت لاپرواہی برتتے ہیں۔

(۶) امامِ اعظم رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ کے نزدیک قرآن مجید کو بلاوضو چھونا بھی جائز نہیں۔ بفحوائے آیت لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ یعنی اس کو پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔ احناف کا اسی پر عمل ہے ، مگر بعض دیگر ائمہ کے نزدیک قرآنِ مجید کو بلاوضو چھونا جائز ہے۔ اُن کے نزدیک مطہرون سے فرشتے مراد ہیں۔ انسان اس پر مکلف نہیں۔

(۷) قرآن مجید باآوازِ بلند پڑھا جا رہا ہو تو اگر وہاں حاضر رہنے کا موقع ہو

تو اس کو سُننا فرض ہے۔ کوئی اور بات کرنا درست نہیں۔

(۸) قرآن مجید کُھلا ہو تو اُس کی طرف پشت کرکے جانا بے ادبی میں داخل ہے۔ لہٰذا اُس کی طرف مُنہ کرکے برجعتِ قہقری جانا چاہیئے۔

(۹) جب تلاوت کے لئے قرآنِ مجید کو کھولیں تو اُس پر سے غلاف کے اُترتے ہی اُس کو بوسہ دینا اکثر بزرگوں سے ماثور ہے۔

(۱۰) کتابوں میں قرآنِ مجید کو سب سے بلند رکھا جائے۔ اگر کئی کتابیں نیچے اوپر رکھی ہوں تو ان میں ترتیب یُوں ہونی چاہیئے۔ سب سے اوپر قرآن مجید ، اُس سے نیچے تفسیر اس سے نیچے حدیث ، اس سے نیچے عقائد ، فقہ اور تصوف کی کتابیں ، پھر صرف و نحو اور معانی کی کتابیں ، سب سے نیچے ادب منطق اور حکمت کی کتابیں۔

(۱۱) قرآنِ مجید کی طرح حدیث شریف کی کتاب کو بھی اپنے قدموں سے بلند رکھیں۔ اس کو پاک و صاف ہو کر پڑھیں ، مگر باوضو ہونا شرط نہیں۔ ہاں اگر اس کی پابندی ہو سکے تو بہت اچھا ہے۔ باقی آداب وہی ملحوظ رہیں جو قرآنِ مجید کے لئے لکھے گئے ہیں۔

(۱۲) حدیث کے بعد عقائد اور فقہ کی کتابوں کے لئے بھی وہی آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں جو قرآنِ مجید اور حدیثِ شریف کے لئے سپرد قلم ہوئے ہیں۔

قرآن مجید کی بے ادبی کرنے والے کا انجام : مولانائے روم رَحمۃ اللہ عَلَیْہِ مثنوی معنوی کے دفتر دوم میں ایک منطقی اور فلسفی کی حکایت اِرقام فرماتے ہیں کہ ایک جگہ قرآنِ مجید کا درس ہو رہا تھا۔ اور یہ آیت پڑھی جا رہی تھی۔ اِنْ اَصْبَحَ مَآءُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ (سورہ ملک) یعنی اگر تمہارا پانی زمین کی پستی کی طرف چلا جائے ، تو کون ہے جو تمہارے لئے ایسا صاف و شفاف اور پاک و طاہر پانی لا سکتا ہے۔ مطلب یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم چشمے خشک کر دیں اور پانی زمین کی تہہ میں چھپا دیں تو کون ہے جو پانی لا سکے۔ ایک فلسفی، منطقی اس وقت درسگاہ کی طرف سے گزر رہا تھا۔ اس نے سُنا تو باآوازِ بلند پکار کر کہا:۔

مابزخم بیل و تیزیئے تبر — آب را آریم از پستی زبر

یعنی اگر پانی کا چشمہ خشک ہو جائے تو ہم پھاوڑے کے زور اور بیل اور تبر کی ضرب اور تیزی سے زمین کھود کر نکال لیں گے، یہ بات ہی کیا ہے ہماری منطق ہماری عقل اور ہماری سائنس ہماری رہبر ہے۔ پھر ہمیں کیا رکاوٹ ہے لیکن جب شام کی تاریکی نے دن کی روشنی پر غلبہ پایا یعنی رات آئی۔

شب بخفت و دید او یک شیر مرد — زد طمانچہ ہر دو چشمش کور کرد

یعنی وہ فلسفی حسب معمول سویا تو اس نے خواب میں ایک شیر مرد کو دیکھا۔ اس نے ایک طمانچہ مار کر اس کی دونوں آنکھیں اندھی کر دیں۔

گفت زیں دو چشمۂ چشم اے شقی — باتبر نورے بر آر ار صادقی

اس کو کہا اے بدبخت! اگر تو اپنے قول میں سچا ہے، اگر تجھ کو اپنے فلسفہ اور منطق پر ایسا ہی ناز ہے کہ تو خدا کی ذات کو بھلا بیٹھا اور اس کے کلامِ پاک کا مُنہ چڑاتا ہے تو اپنی آنکھوں کے دونوں چشموں سے نُور کو پیدا کر۔ ذرا تبر تولا۔ کہاں ہے۔ وہ بیل اور پھاوڑے نکال اور ان سے چشموں کو کھود، کرید، رگڑ جو چاہے کر اور پانی کا ایک قطرہ تو نکال۔ پھر جب دن نکلا اور وہ فلسفی خواب سے بیدار ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ میری آنکھیں بے نور ہیں۔ میری چشمِ بصارت گم ہو گئی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھتا ہے مگر کچھ نظر نہیں آتا۔ مایوس ہو کر زبانِ حال سے کہتا ہے۔

وہ بھی کیا دن تھے کہ تھی چشمِ بصیرت تک کھُلی
آج وہ دن ہے بصیرت کیا بصارت بھی نہیں

غرض یہ بے ادب منطقی اپنے علمی غرور کے باعث مولائے کریم سے معافی

کا خواستگار نہ ہوا اور توبہ کی نعمت سے محروم رہا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گر بنا لیدے و مستغفر شدے — نور رفتہ از کرم ظاہر شدے

یعنی اگر وہ روتا اور توبہ کرتا، تو اللہ جو رحیم و کریم ہے اپنے فضل و کرم سے اس کا نور رفتہ پھر سے اسے عطا کر دیتا۔ لیکن وہ بدنصیب توبہ کس طرح کرتا اور اس کی لذت سے کس طرح آشنا ہوتا۔ یہ بھی تو اس کے اختیار کی بات نہ تھی۔

خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ

تعظیمِ شعائرُ اللہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ یعنی جو شخص شعائر اللہ کا ادب اور تعظیم کرے، تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ اس آیت سے اشارۃً ثابت ہے دینِ اسلام کا تمام تر مدار شعائر اللہ کی تعظیم و ادب پر ہے۔ اگر شعائر اللہ کا ادب دل میں مرکوز ہے، تو خدا کا خوف بھی ہوگا۔ منہیات و معاصی سے نفرت بھی ہوگی۔ فرائض و واجبات کا شوق بھی ہوگا۔ اور آخرت کی تیاری کا اہتمام بھی ملحوظ خاطر رہے گا اور یہی باتیں دین کا نچوڑ ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی جلد اوّل صفحہ ۵۵ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اِعْلَمْ اَنَّ مَبْنَی الشَّرَائِعِ عَلٰی تَعْظِیْمِ شَعَآئِرِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالتَّقَرُّبِ بِھَا اِلَیْہِ تَعَالٰی یعنی واضح رہے کہ شریعتوں کی بنیاد شعائر اللہ کی تعظیم اور ادب کرنے اور ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے پر ہے۔ انتہی

شعائر اللہ کئی ہیں۔ جن میں سب سے بڑا درجہ چار شعائر کا ہے جو یہ ہیں:۔

(۱) نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ

(۲) قرآنِ مجید۔

(۳) کعبہ شریفہ۔

(۴) نماز۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اس کی تصریح کی ہے۔ اب خاتمہ کتاب میں ہم ہر مسلمان کو بتاکید توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اگر وہ راسخ العقیدہ مسلمان اور صادق الیقین مومن ہونا اور رہنا چاہتا ہے، تو وہ ان چاروں شعائر اللہ کی تعظیم و ادب کو اپنا سب سے پہلا اور سب سے آخری مقصد سمجھے۔ اور ان کے احترام و ادب پر اپنا آرام و راحت، اپنا مال و دولت حتیٰ کہ اپنی حیات و زیست تک قربان کرنے سے دریغ نہ کرے۔

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم   شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

ترجمہ: میں نے اپنی عمر کا حاصل محبوب کی راہ پر قربان کر دیا ہے۔ میں اپنی زندگی پر بہت خوش ہوں کہ کوئی کام میں نے بھی کر دیا ہے۔

نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کا ادب و تعظیم تو اس رسالہ کا موضوع لہ ہی ہے۔ اور اس کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ قرآن مجید کے ادب و تعظیم کے متعلق بھی چند ضروری باتیں آخری مضمون میں حیطہ تحریر میں آ چکی ہیں۔ کعبہ شریفہ کے ادب و تعظیم کا ذکر بھی ضمناً ایک دو جگہ گزر چکا ہے۔ اب یہاں چند باتیں نماز اور مساجد کے آداب و تعظیم کے متعلق سپرد قلم کی جاتی ہیں۔ نماز کے تمام مستحبات جو کتبِ فقہ میں مذکور و سطور ہیں، وہ سب دراصل آدابِ نماز ہیں۔ ان تمام کو پڑھ کر یا سن کر عمل میں لانا چاہئے۔ علاوہ ازیں سابقہ وضو کے باوجود پھر دوبارہ وضو کر لینا، سنتوں کے بعد فرضوں کی جماعت کی انتظار تک دنیوی کلام سے پرہیز رکھنا اور اتنے عرصہ تک روبقبلہ بیٹھ کر ذکر و فکر میں مشغول رہنا بھی داخل آدابِ

نماز ہے۔

مسجد کے آداب میں سے بعض ضروری آداب یہ ہیں۔

(۱) مسجد میں دنیوی گفتگو نہ کریں۔

(۲) بلند آواز سے کوئی بات نہ کریں جس میں مسجد کا عدمِ لحاظ پایا جائے۔

(۳) غزلیات و قصائد نہ پڑھیں۔

(۴) متکبرانہ انداز سے ٹہلتے نہ پھریں۔

(۵) مغرور لوگوں کی طرح گھٹنے پر پنڈلی رکھ کر نہ بیٹھیں۔ اور نہ کوئی دوسری مغرورانہ وضع اختیار کریں۔

(۶) لوگوں کے مجمع سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنی کسی گم شدہ چیز کی منادی نہ کریں۔ اگر کوئی ایسا کرے تو دوسرا مسلمان کہے خدا کرے تیری گم شدہ تجھے نہ ملے۔

(۷) مسجد میں خرید و فروخت نہ کریں۔ ہاں معتکف مال کی موجودگی کے بغیر اضطراراً سودا کر سکتا ہے۔

(۸) مسجد کے جھاڑو بہارو دیا بتی وغیرہ کی خدمت میں خادم مسجد کا ہاتھ بٹاتے رہیں اور ضروریات مسجد کا اہتمام رکھیں۔ یہ ایمان کی نشانی ہے، جس کا حدیث میں ذکر ہے۔

(۹) وضو کے بعد نماز تحیۃ المسجد پڑھا کریں۔

(۱۰) کچا لہسن اور کچا پیاز کھا کر مسجد میں داخل نہ ہوں اور دوسری ہر قسم کی بدبودار چیز کے استعمال سے بھی پرہیز رکھیں جبکہ جلدی مسجد میں جانا ہو۔

(۱۱) لعاب اور آلائشِ بینی مسجد میں گرانے یا اس کی دیوار و مصلّٰی کے ساتھ پونچھنے سے قطعی پرہیز رکھیں۔

(۱۲) مسجد میں اینٹ پتھر، تنکا، کانٹا، بال، ناخن، بیٹ وغیرہ کوئی مکروہ شے دیکھیں، تو فوراً

اُٹھا کر باہر پھینک دیں۔ آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمْ نے اس کے اجر کی تعریف فرمائی ہے۔

(۱۳) جب مسجد میں داخل ہوں، تو پہلے دایاں پاؤں داخل کریں اور کہیں۔ اَللّٰھُمَّ افۡتَحۡ لِیۡ اَبۡوَابَ رَحۡمَتِکَ یعنی الٰہی مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

(۱۴) جب مسجد سے نکلنے لگیں تو پہلے بایاں پاؤں باہر نکالیں اور کہیں اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ مِنۡ فَضۡلِکَ یعنی الٰہی میں تجھ سے تیرا فضل چاہتا ہوں۔

تمام تعلیماتِ ادب سے آخری اور جامع بات یہ ہے کہ:۔

طالبِ صحبتِ نیکاں شوو توفیقِ ادب از خدا خواہ کہ اللہ ولی التوفیق

ترجمہ : نیک لوگوں کی مجلس اور ادب کی توفیق کے طالب بن جاؤ۔ ان کو اللہ تَعَالٰی سے مانگو کیونکہ توفیق کا والی وہی ہے۔